ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

ناقابل تبدیل حقیقت

''یہ امت ایک سدا بہار درخت ہے، یہ امت کوئی فن تعمیر کا نمونہ نہیں جو بن گیا تو بن گیا، بلکہ یہ ایک درخت ہے اور درخت میں شادابی بھی آتی ہے اور خشکی بھی آتی ہے، لہٰذا امت کے لیے تبدیلیوں سے گذرنا ناگزیر ہے، لیکن ایک چیز ہے جو ناقابل تبدیل ہے، وہ اس امت کا خدا کے ساتھ تعلق، شریعت سے تعلق ہے، فاتح ہو جب بھی روزہ رکھے گی، مفتوح ہو جب بھی روزہ رکھے گی، قلیل ہو جب بھی روزہ رکھے گی، کثیر ہو جب بھی روزہ رکھے گی اور اگر اس کو فتح ملی تو اسی نماز و روزہ کے راستہ سے ملے گی اور اگر ذلت اس کے نصیب میں آئے گی تو اس میں کوتاہی کرنے کے سبب آئے گی، گویا ملت کے اندرون میں کوئی تبدیلی نہیں، اس کا تعلق خدا کے ساتھ ہمیشہ قائم رہے گا۔''

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(رمضان المبارک اور اس کے تقاضے: ۱۵۱)

مركز الإمام أبي الحسن الندوي

دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

April-May 2022

ماہِ رمضان اور ہم

مفسرِ قرآن حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

''رسول اللہ ﷺ کے جود وکرم کا دریا تو ہمیشہ ہی بہتا رہتا تھا، لیکن ماہ رمضان میں حضور ﷺ کی سخاوت وفیاضی اور خدمت خلق کی تو کوئی حد ہی نہیں رہتی تھی اور صدقات وخیرات کا نمبر ہر زمانہ سے کہیں زائد بڑھ جاتا تھا اور ذکر الٰہی ونماز، نوافل اور تلاوتِ قرآن واعتکاف بس دن رات کی یہی مشغولیت تھی اور یہی شب وروز کا معمول اس سارے ماہِ مبارک کو آپ ﷺ طرح طرح کی عبادتوں کے لیے مخصوص رکھتے۔

رسول کریم ﷺ کے رمضان کا حال آپ نے سن لیا؟ اب اولیائے امت کے رمضان کا منظر بھی دیکھ لیجیے!

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ باوجود ضعف وپیرانہ سالی کے مغرب کے بعد نوافل میں پارہ کوئی پڑھتا یا سناتا اور اس کے بعد آدھ گھنٹہ کھانا وغیرہ ضروریات کے بعد، ہندوستان کے قیام میں دوسوا دو گھنٹے تراویح میں خرچ ہوتے تھے اور مدینہ پاک کے قیام میں تقریباً تین گھنٹے میں عشا اور تراویح سے فراغت ہوتی۔ حضرت مولانا شیخ الہند تراویح کے بعد سے صبح کی نماز تک نوافل میں مشغول رہتے تھے اور یکے بعد دیگرے متفرق حفاظ سے کلام مجید سنتے تھے اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے ہاں تو رمضان المبارک کا مہینہ دن ورات تلاوت ہی کا ہوتا تھا کہ اس میں ڈاک بھی بند اور ملاقات بھی ذرا گوارا نہ تھی۔

اب ارشاد ہو کہ آپ کے رمضان کو اس قسم کے رمضان سے کوئی نسبت اور کوئی مناسبت ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ رمضان آ گیا، لیکن رمضان کیا نام ہے محض جنتری میں لکھے ہوئے سنہ قمری کے نویں مہینے کا؟ رمضان اگر واقعی آپ کے ہاں آ گیا ہے تو کہاں ہیں آپ کی مسلسل عبادتیں اور اطاعتیں، نمازیں اور تلاوتیں، شب بیداریاں اور خلق کی خدمت گذاریاں، دعائیں اور مناجاتیں، نیکیاں اور فیاضیاں؟ روزہ رکھنے والے ہی اول تو اب کتنے ہیں اور جو ہیں بھی ذرا ان کے معمولاتِ شب وروز پر ایک نظر کر جایئے، وہی غفلتیں، وہی مدہوشیاں، وہی غیبتیں اور وہی مردم آزاریاں، وہی بخل اور وہی اسراف، عبادت سے وہی نفرت اور فسق وفجور سے وہی رغبت! ـــــــ برسات نام بارش کے خوب ہونے کا ہے، محض برساتی مہینوں کے آجانے کا نہیں، ساون بھادوں اگر خشک ہی گزر جائیں تو زمین میں تری اور درختوں پر سبزی کہاں سے آئے گی، پھر ماہِ مبارک کے حقوق میں سے اگر ہم کوئی حق بھی نہیں ادا کر رہے ہیں تو ماہِ مبارک کی برکتوں سے محرومی پر گلہ وشکوہ کس منہ سے کر سکتے ہیں؟''

(سچی باتیں: ۱۷۹-۱۸۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۴ | اپریل-مئی ۲۰۲۲ء/ رمضان-شوال ۱۴۴۳ھ | شمارہ: ۴-۵

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

روزہ کی اہمیت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ: إِنَّ الصَّوْمَ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ إِنَّ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَيْنِ إِذَا أَفْطَرَ وَإِذَا لَقِيَ اللّٰهَ فَرِحَ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ."

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بلاشبہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، یقیناً روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، ایک جب وہ افطار کرے اور دوسرے جب وہ اللہ سے ملاقات کرے گا اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔)

(صحیح مسلم: ۲۷٦٤)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی
مفتی راشد حسین ندوی
عبدالسبحان ناخدا ندوی
محمود حسن حسنی ندوی
محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی
محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 | E-Mail: markazulimam@gmail.com | سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

ہلال عید یا صبح امید (اداریہ).....۳

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

ہم رمضان کیسے گزاریں.....۵

.....مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

اہل ایمان کا عقیدہ.....۸

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

سچائی کیا ہے؟ (جاری).....۱۰

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

رمضان المبارک کا پیغام.....۱۲

.....محمود حسن حسنی ندوی

روزہ کے مختلف مسائل.....۱۴

.....مفتی راشد حسین ندوی

ایمان کی توفیق اور مشیتِ الٰہی.....۱۸

.....عبدالسبحان ناخدا ندوی

اعتکاف کے چند مسائل.....۲۰

زکوٰۃ - چند ضروری احکام ومسائل.....۲۲

اشتراکیت (Socialism).....۲۶

.....سید محمد مکی حسنی ندوی

مولانا علی میاںؒ کی فقہی بصیرت.....۲۸

.....محمد ارمغان بدایونی ندوی

تم نہ بدلو گے تو حالات بھی نہ بدلیں گے.....۳۱

.....محمد نفیس خاں ندوی

ناز جس پہ کریں سجدے وہ جبیں پیدا کر

نتیجۂ فکر:- جناب جگر مرادآبادیؒ

پہلے تو حسن عمل حسن یقیں پیدا کر
پھر اسی خاک سے فردوس بریں پیدا کر

یہی دنیا کہ جو بت خانہ بنی جاتی ہے
اسی بت خانے سے کعبے کی زمیں پیدا کر

روح آدم نگراں کب سے ہے تیری جانب
اٹھ اور اک جنت جاوید یہیں پیدا کر

خس وخاشاک تو ہم کو جلا کر رکھ دے
یعنی آتش کدۂ سوز یقیں پیدا کر

غم میسر ہے تو اس کو غم کونین بنا
دل حسیں ہے تو محبت بھی حسیں پیدا کر

آسماں مرکز تخیل وتصور کب تک
آسماں جس سے خجل ہو وہ زمیں پیدا کر

دل کے ہر قطرہ میں طوفان تجلی بھر دے
بطن ہر ذرہ سے اک مہر مبیں پیدا کر

بندگی یوں تو ہے انسان کی فطرت لیکن
ناز جس پہ کریں سجدے وہ جبیں پیدا کر

پستی وخاک پہ کب تک تری بے بال وپری
پھر مقام اپنا سر عرش بریں پیدا کر

عشق ہی زندہ وپائندہ حقیقت ہے جگرؔ
عشق کو عام بنا ذوق یقیں پیدا کر

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ہلال عید یا صبح امید

ہلال رمضان نے ایک نئی فضا پیدا کی، لوگوں میں عبادت وریاضت اور تلاوت ودعا کا ایک عمومی رجحان پیدا ہوا، مزاجوں میں نرمی پیدا ہوئی، حسن سلوک اور محبت وایثار جیسی صفات جگہ جگہ نظر آنے لگیں، اللہ کی رحمت سایہ فگن ہوئی، کتنے گنہگار بخشے گئے اور کتنے وہ لوگ جو جہنم کے راستہ پر پڑ چکے تھے، توبہ کے نتیجہ میں ان کے لیے بھی جنت کے فیصلے ہوئے۔

اب موسم بہار گذرنے کو ہے، ہلال عید طلوع ہونے کو ہے، پھر وہی رُت ہوگی، وہی روز وشب ہوں گے، لیکن اللہ کے وہ بندے کامیاب ہوں گے جنہوں نے اپنے دامن کو گل مقصود سے بھر لیا، رمضان ان سے خوش گیا، رمضان کے بعد ان کے لیے نئے عزائم ہوں گے، نیا حوصلہ ہوگا، کام کا جذبہ ہوگا، احساس عمل کی چنگاری ان کے دل میں فروزاں ہوگی، اللہ کے رسول ﷺ کی محبت سے سرشار ہوکر وہ آپ ﷺ کے دین کے لیے پروانہ وار نکل پڑیں گے، ان کے اندر قربانی کے جذبات ہوں گے، امت کا درد ہوگا، جس کو وہ امت کے ایک ایک فرد تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

دنیا کی موجودہ صورت حال نے صبح امید جگائی ہے، لوگوں کو سوتے سے بیدار کیا ہے، اب تک جو خواب غفلت میں تھے، وہ الحمدللہ میدان عمل میں آنے کے لیے بے چین ہیں۔

ہمارا ملک جو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا ملک ہے، جہاں امام سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے توحید وسنت کا علم بلند کیا اور جہاں حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء نے ایمان کی جوت جگائی، آج پھر وہ اسی جذبہ ایمانی اور عمل پیہم کا پیاسا ہے، اسی محبت کے ساتھ جس کو فاتح عالم کہا گیا ہے۔

جو کچھ بھی واقعات گذرے اور گذر رہے ہیں، وہ مایوسی کے لیے نہیں ہیں، مایوسی تو ایمان والوں کے لیے کفر ہے، یہ واقعات تو جذبہ ایمانی کو جلا بخشنے اور عمل پیہم کو لے کر میدان میں آنے کے لیے ہیں۔

سخت سے سخت حالات کا اس امت کو سامنا کرنا پڑا ہے، تاریخ گواہ ہے کہ یہ امت کبھی مایوس نہیں ہوئی، وہ نئے حوصلہ ایمانی کے ساتھ سامنے آئی اور اس نے صحابہ کی تاریخ دہرادی، وہ خواہ تاتاریوں کا حملہ ہو یا ہندوستان میں دین اکبری کا فتنہ ہو، جب جب یہ دین خطرہ میں پڑا، اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد تیار کردیے جنہوں نے تجدید کا کام کیا اور وہ ان خطرات کے سامنے سد سکندری بن گئے۔

ضرورت اس عزم کی ہے کہ ہلال عید حقیقت میں ہلال عید بن جائے، وہ خوشیوں کا پیغام لے کر آئے اور امت کے لیے صبح امید کی کرن ثابت ہو، لیکن یہ جب ہی ممکن ہے، جب امت کا ایک ایک فرد اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے، دین کا فہم رکھنے والے اور علماء طے کرلیں کہ ہمیں ہر مایوسی کو امید سے بدلنا ہے، اس کے لیے کم از کم چار کام کرنے کے ہیں، اگر ہم نے اپنی اپنی مشغولیات سے وقت نکال کر ان پر محنت کرلی اور ہر طرح کے انتشار سے بچتے ہوئے اپنے آپ کو تھوڑی قربانی کے ساتھ ان کاموں کے لیے یکسو کرلیا تو صبح امید دور نہیں اور کیا بعید ہے کہ ہلال رمضان کے بعد جن ریاضتوں اور محنتوں سے مسلمانوں نے اپنا دامن بھرا ہے، ہلال عید کے بعد وہ سوغات دنیا میں تقسیم ہو۔

پہلی بات یہی ہے کہ ہم اپنا ایمان مضبوط کریں، اللہ پر یقین دل میں بٹھائیں اور اسی پر بھروسہ رکھیں کہ سب کچھ اسی کی قدرت میں ہے اور سچی بات یہ ہے کہ وہ ایمان والوں کو کبھی رسوا نہیں کرتا، شرط یہ ہے کہ ایمان دل کی گہرائیوں میں اتر جائے، اللہ سے تعلق مضبوط ہو اور اللہ کی رسی کو پوری طاقت کے ساتھ تھام لیا جائے، عقیدۂ توحید راسخ ہو اور ہر طرح مداہنت سے بچتے ہوئے دین وشریعت کے ایک ایک حکم کو مضبوطی سے تھاما جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ توبہ واستغفار ہو، اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر ندامت ہو، حدیث میں آتا ہے: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له" گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں، توبہ اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے کا ذریعہ ہے، اس سے بندہ اپنے رب سے قریب ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اپنی آنے والی نسل کے ایمان کی فکر ہو، اس کے لیے سب تدبیریں اختیار کی جائیں، مکاتب دینیہ اور اسلامک اسکولز کا جال بچھا دیا جائے، شہر شہر ہی نہیں محلّہ محلّہ اس کی فکر کی جائے، لڑکیوں کے لیے الگ سے تعلیم کا مکمل نظم کیا جائے اور اس کے لیے مساجد کو مرکز بنایا جائے، ایک ایک مسجد کے زیر اثر جتنے محلے ہوں ان سب کا مسجد کو سینٹر بنا کر سروے کیا جائے اور مسجد سے متعلق ہر ہر محلّہ کے ایک ایک گھر کی فکر کی جائے اور ان کی دین ودنیا کی ضرورتیں پوری کرنے کا نظام بنایا جائے، اس کے ساتھ مدارس اسلامیہ جو اسلام کے قلعے ہیں ان کو بھی مضبوط کرنے کی فکر رکھی جائے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ہم اپنے طرز عمل سے اسلام کے اخلاقی نظام کو دنیا کے سامنے پیش کریں اور جو غلط فہمیاں دماغوں میں بیٹھ گئی ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کریں، اس کے لیے دو باتیں بے حد ضروری ہیں؛ پہلی بات یہ ہے کہ ہم خود اپنی زندگی کا رخ درست کریں، اپنی بد اخلاقیوں اور بے ضابطگیوں کو دور کریں اور رسول اکرم ﷺ کی مبارک زندگی میں جو ہمارے لیے نمونہ ہے، اس کو ہم اپنے لیے نمونہ بنائیں اور دوسری بات یہ ہے کہ برادران وطن کے لیے ایسا لٹریچر تیار کریں اور ان تک پہنچانے کی تدابیر کریں جو غلط فہمیوں کو دور کرے، اس کے لیے ملاقاتیں، ڈائلاگس اور جلسے مفید ہوں گے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اسی مقصد سے پیام انسانیت کی تحریک شروع کی تھی، یہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے، اس کا لٹریچر بھی اس چوتھے کام میں بہت معاون ہوگا۔

یہ چار کام اگر ہم نے کر لیے اور ہر طبقہ تک پہنچنے کی کوشش کر لی، ایمانی جذبہ کے ساتھ، اخلاص واخلاق کی بلندی کے ساتھ، حوصلہ اور عزم کے ساتھ تو وہ دن دور نہیں کہ جب دنیا کا رخ کچھ اور ہو، راستے کھلتے چلے جائیں، انسانوں کو انسانیت کا مزہ آئے اور دونوں جہان کی کامیابی دنیا کا مقدر بنے۔

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾(العنکبوت: ٦٩)

(اور جو بھی ہمارے لیے جان کھپائیں گے تو ہم ضرور ان کے لیے اپنے راستے کھول دیں گے اور یقیناً اللہ بہتر کام کرنے والوں ہی کے ساتھ ہے)

یہ کچھ گذارشات اس سے پہلے بھی عرض کی گئیں تھیں اور رمضان وعید اور موجودہ حالات کی مناسبت سے دوبارہ پیش کی جارہی ہیں، کیا بعید ہے کہ کرنے والوں کے لیے اس میں حکمت وموعظت کا کچھ سامان ہو۔

ہم رمضان کیسے گزاریں؟

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہوجاؤ، صحابہ کرامؓ منبر سے قریب ہوگئے۔ جب حضور ﷺ نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا: آمین!، جب دوسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین!، جب تیسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین!، جب آپ ﷺ خطبہ سے فارغ ہوکر نیچے اترے تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے منبر پر چڑھتے ہوئے ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت جبرئیل علیہ السلام میرے سامنے آئے تھے (جب پہلے درجہ پر میں نے قدم رکھا تو) انھوں نے فرمایا: ہلاک ہوجائے وہ شخص جس نے رمضان المبارک کا مبارک مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی۔ میں نے کہا: آمین!، پھر جب میں دوسرے درجہ پر چڑھا تو انھوں نے کہا کہ: ہلاک ہوجائے وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے، میں نے کہا: آمین!، جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انھوں نے کہا: ہلاک ہوجائے وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پائیں اور وہ ان کی خدمت کرکے جنت میں نہ داخل ہوجائے۔ میں نے کہا: آمین!

رمضان مغفرت کا مہینہ ہے

رمضان ایسا زریں موقع ہے کہ اس میں کوشش کرے تو ایک رمضان سارے گناہ بخشوانے کے لیے کافی ہے۔ جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور یہ یقین کرکے رکھے، کہ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدے سچے ہیں، اور وہ تمام اعمال حسنہ پر بہتر بدلہ عطا فرمائے گا، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: "مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَاتَأَخَّرَ"۔ یعنی جو شخص رمضان کے روزے ایمان واحتساب کے ساتھ رکھے، اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ ایمان واحتساب کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدوں پر یقین کامل ہو، اور ہر عمل پر ثواب کی نیت کرے، اور اخلاص وللّٰہیت اور رضائے الٰہی کا حصول پیش نظر ہو، اور ہر عمل کے وقت مرضیٔ الٰہی کو دیکھے۔ ایمان واحتساب ہی ہے جو انسان کے عمل کو فرش سے عرش پر پہنچا دیتا ہے۔ اصلاً اسی کا فقدان ہے، مسلمانوں کا اصل مرض بدنیتی نہیں بلکہ بے نیتی ہے، یعنی سرے سے وہ نیت ہی نہیں کرتے، ہم وضو کرتے ہیں مگر اس میں نیت نہیں کرتے، ہم دوسرے ارکانِ دین ادا کرتے ہیں مگر ایمان واحتساب ہمارے پیش نظر نہیں رہتا، جب بہت سے لوگ کسی کام کو کرتے ہیں تو وہ رسم بن جاتی ہے، روزہ کا ایک عام ماحول ہوتا ہے، ایسے میں کوئی اس اندیشہ سے روزہ رکھے کہ ہم روزہ نہ رکھیں گے تو چھپ کر کھانے پینے سے کیا فائدہ؟ یہ خیال آیا تو روزہ کی روح نکل گئی۔ بیماریوں میں بھی اکثر بھوکا رہنا پڑتا ہے، سفروں میں بھی اکثر کھانا نہیں ملتا، اس لیے روزہ کی خصوصیت صرف بھوکا رہنا نہیں ہے، روزہ کی حقیقت ہے اللہ کے حکم کی تعمیل، جو چیزیں چھوڑنے کو کہی گئی ہیں ان کو چھوڑ دینا، پہلے ہم یہ کیفیت پیدا کریں کہ اللہ تعالیٰ برحق ہے، ثواب کی لو لگی ہو، اور دل کو تسلی ہو، کہ ثواب مل رہا ہے، اسی میں لطف آئے۔

اعمال کی مقبولیت کی علامات وآثار

کسی عبادت کی خصوصیت اور اس کی مقبولیت کی دلیل یہ ہے، کہ اس کی ادائیگی سے دل کے اندر رقت، نرمی، تواضع اور انکساری کا جذبہ پیدا ہو، لیکن جب اس کے برعکس کبر وغرور، اور عجب پیدا ہو، تو سمجھ لینا چاہیے کہ ہماری عبادت مقبول نہیں ہوئی، اس میں کمی رہ گئی ہے، اس لیے ان چیزوں کو دور کرنے کے لیے ایمان واحتساب کو پیش نظر رکھنا اور اس کا استحضار رہنا ضروری ہے، بے سوچ سمجھے، بغیر نیت کے روزہ رکھ لینا، کوئی اور عبادت ادا کرنا بے معنی ہے۔ ایک صاحب فرمانے لگے: ''میں اس لیے روزہ رکھتا ہوں کہ جو مزہ افطار کے وقت

آتا ہے، وہ دنیا کی کسی نعمت میں نہیں''، حالانکہ ان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی نہیں تھا، ہمیں چاہیے کہ ہم دن میں کئی بار نیت کو تازہ کرلیا کریں، ہر وقت استحضار رکھیں، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ابن آدم کے ہر عمل پر اس کو دس سے سات سو گنا تک ثواب ملے گا، اللہ نے فرمایا: سوائے روزہ کے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ اَلصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، یہ بندہ تمام محبوب چیزیں میرے لیے چھوڑتا ہے، اس لیے میں خود ہی بدلہ دوں گا۔''

اعمال طاقت پیدا کرتے ہیں

دوسری بات یہ ہے کہ دین کے جتنے ارکان ہیں وہ طاقت پیدا کرتے ہیں، یعنی ایک عبادت دوسری عبادت کے لیے معاون ثابت ہوتی ہے، اور اس کے لیے تقویت کا باعث بنتی ہے، جس طرح سے ایک غذا دوسری غذا کے لیے معاون ثابت ہوتی ہے، اسی طرح ایک فرض کی ادائیگی دوسرے فرائض کی ادائیگی میں معاون ثابت ہوتی ہے اور اس کو طاقت فراہم کرتی ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ ہر رکن الگ الگ ہے۔ ہر ایک کی فرضیت اور اس کی اہمیت تو بہر حال اپنی جگہ ہے، مگر ایک دوسرے سے الگ نہیں؛ بلکہ ایک دوسرے کی مدد کے لیے ہے، اسی طرح سے روزہ سال کے پورے گیارہ مہینے کی عبادت کے لیے طاقت پیدا کرتا ہے، روزہ کی وجہ سے دوسرے عبادات کی ادائیگی میں ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے اور توانائی ملتی ہے۔

روزے کا مقصد نفس پر قابو پانا ہے

تیسری بات یہ ہے کہ روزہ کا مقصد یہ ہے کہ نفس پر قابو پایا جائے اور روزہ کی وجہ سے نفس پر قابو پانا آسان ہوجائے، دین کا ذوق وشوق پیدا ہو، عبادات کی ادائیگی میں شوق ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ یعنی ہر کام کے کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی مرضی کا خیال رکھا جائے، تقوی کا ترجمہ بعض لوگوں نے ''لحاظ'' سے کیا ہے، یعنی ہر کام کے کرتے وقت اس کا لحاظ رکھا جائے، یہ کام اللہ کی مرضی کے مطابق ہے یا نہیں، حلال وحرام کی تمیز ہوجائے۔ اس طرح سے مشق ہوجائے کہ فطرت بن جائے، جس طرح سے آپ عید کے دن کھانے پینے میں جھجک محسوس کرتے ہیں، کیوں کہ ایک مہینے سے دن میں کھانے پینے کی عادت چھوٹ گئی تھی، اس وجہ سے آپ کو کھانا پینا خلافِ عادت معلوم ہوتا ہے، حالانکہ یہ عارضی چیز تھی؛ اسی طرح سے گناہوں سے اجتناب، معاصی سے پرہیز، غیبت وبدگوئی، غصہ وبغض سے پرہیز اس طرح ہو کہ آپ کی فطرت بن جائے، جو چیزیں دائمی طور پر حرام ہیں، ان کو کرنے میں تو اور بھی زیادہ آپ کو چوکنا رہنا چاہیے۔ روزہ سے زندگی میں تبدیلی ہونی چاہیے۔ آپ روزہ رکھیں لیکن گالی دینا، غیبت کرنا، بدگوئی وغصہ وبغض کرنا نہ چھوڑیں، تو روزہ سے کوئی فائدہ نہیں۔

اصل بات تو یہ ہے کہ روزہ آپ کی زندگی کے اندر واضح تبدیلی کردے۔ روزہ میں آپ نے معاصی سے اجتناب کیا ہے، تو اس پر قائم رہیے، اور ان معاصی کا ارتکاب نہ کیجیے، جن کو آپ نے روزہ کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا، اگر روزہ کے ختم ہوتے ہی تمام معاصی میں پھر مبتلا ہوگئے، تو اس سے یہی بات سمجھ میں آئے گی کہ اس نے روزہ تو رکھا مگر روزہ مقبول نہیں ہوا، حج تو کیا مگر حج قبول نہیں ہوا، آپ اس طرح سے روزہ رکھیے کہ کوئی غیر مسلم بھی دیکھے، تو سمجھے کہ یہ واقعی روزہ رکھتے ہیں اور یہ رمضان کے دن ہیں، پورے احترام کو ملحوظ رکھا جائے، اور تمام تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی شخص روزہ رکھے اور اس سے کوئی الجھنے لگے تو کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں''، نفس کی تمام کمزوریوں کو دور کرے، غصہ کم کردے، بغض وحسد کو دور کردے۔ روزہ اس طرح سے نہ رکھے کہ غصہ میں بھرا ہوا بیٹھا رہے اور لوگ اس سے محض اس وجہ سے گفتگو کرتے ہوئے خوف محسوس کریں کہ بھائی! ان سے گفتگو نہ کرو، ورنہ یہ بگڑ جائیں گے۔ کھانے میں ذرہ برابر نمک کی کمی ہو، تو غصہ کی انتہا کردے، ان تمام معاصی سے پرہیز کرے۔ اگر روزہ کے تمام تقاضوں کا لحاظ رکھا گیا، تو اس کا اثر پورے گیارہ مہینوں پر پڑے گا، اور اس کی زندگی میں ایک نمایاں تبدیلی ہوگی۔

روزے کا منشا

چوتھی بات یہ ہے کہ روزہ جن چیزوں سے معمور کیا گیا ہے، اس کا لحاظ رکھیں، روزہ کا یہ منشا معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا جائے۔ نہ تلاوت کیا، نہ صدقہ، نہ خیرات کی، نہ تراویح پڑھی، صرف روزہ رکھ لیا، اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ توبہ واستغفار کا اہتمام ہو، دعا کی طرف زیادہ توجہ ہو، آخر شب میں اہتمام سے اٹھیں کیوں کہ اس کی زیادہ اہمیت ہے، اللہ تعالیٰ اس وقت پکارتا ہے کہ ہے کوئی میرا دوست! جو مجھے پکارے اور میں اس کو سنوں۔ رسول اکرم ﷺ اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔

خیرات وصدقات کا مہینہ

اس مہینے میں خیرات وصدقات بھی زیادہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ماہ مبارک کو "شَهْرُ الْبِرِّ وَالْمُوَاسَاةِ" فرمایا ہے یعنی نیکی اور غمخواری کا مہینہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف زیادہ توجہ ہو، اور صدقات وخیرات میں زیادہ حصہ لے، لوگوں کے حالات کا سراغ لگا کر پتہ چلائے، ان کے یہاں تحائف اور ہدایا بھیجے۔ اللہ کے کتنے بندے ایسے ہیں، جن کو صرف روزہ افطار کرنے کے لیے مسجد میں مل جاتا ہے، پھر وہ بھوکے رہتے ہیں۔ اس لیے ایسے ضرورت مند لوگوں کا پتہ لگا کر ان کی مدد کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ اس کا بڑا ہی اہتمام فرماتے تھے۔ آپ کے متعلق آتا ہے، "أَجْوَدُ النَّاسِ صَدْراً" یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے۔ دوسرے موقع پر آتا ہے: "فَلَهُوَ أَجْوَدُ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ"، یعنی طوفان کی طرح سخاوت کرتے تھے، اور اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، اور دل کھول کر غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کی مدد کرتے تھے۔

توبہ واستغفار کا مہینہ

انسان کو سمجھنا چاہیے کہ ہماری عبادت کیا، ہم تو اللہ تعالیٰ کے لائق کچھ بھی عبادت نہیں کر سکتے، ہم توبہ استغفار بھی اچھی طرح نہیں کر سکتے، اس لیے ہمیں بھوکوں، لاچاروں اور مسکینوں ہی کی مدد کرنی چاہیے، تاکہ ممکن ہے اللہ کے کسی بندے کا دل خوش ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسی کو قبول فرمالے اور ہمارا مقصد پورا ہو جائے۔ ہماری عبادت، ہماری تلاوت، ہماری نماز تو لائق قبولیت نہیں لیکن اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے سے ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسی کو قبول فرمائے۔ اس مہینے میں ہمیں پوری طرح خیرات وصدقات کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اور ہم کمر کس لیں کہ اس مہینے سے پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے "يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ! أَقْبِلْ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَدْبِرْ"، یعنی اے خیر کے طلب کرنے والے! آگے بڑھ اور اے برائی کے طلب کرنے والے! پیچھے ہو۔ دوسری جگہ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے سے پوچھے گا کہ "اے بندے میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہیں کی، میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا"، بندہ جواباً عرض کرے گا کہ اے خداوند قدوس! تو کیسے بیمار ہو سکتا ہے؟ تو کیسے بھوکا رہ سکتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ "میرا فلاں بندہ بیمار تھا، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے وہاں پاتا۔ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا، اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو تو مجھے وہاں موجود پاتا۔

غمگساری اور خیرخواہی کا مہینہ

اس لیے یہ ضروری ہے کہ جو محتاج و بیوائیں ہیں، جو فقراء ومساکین ہیں، ان کی مدد کی جائے، غریبوں کی جو لڑکیاں ہیں، ان کی شادی کرادی جائے۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہم سے محاسبہ کرے گا، اور سخت باز پرس کرے گا۔ یہ ہمارا مال نہیں جسے ہم خرچ کرتے ہیں، بلکہ یہ اللہ کی امانت ہے، ہم اگر اس کو تقریبات میں خرچ کرتے ہیں تو غلط کرتے ہیں، اگر اس کو بے محل صرف کرتے ہیں تو ناجائز کرتے ہیں۔ ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اس کو صرف کریں، ہمیں اس کی فکر ہونی چاہیے کہ کتنی بیوائیں اور یتیم ہیں، کتنے محتاج ومساکین ہیں جنہیں ضرورت ہے؟ ہمیں ان تمام جگہوں پر صرف کرنا چاہیے جہاں دوسروں کی مدد ہو سکے، اور اللہ تعالیٰ راضی ہو۔

اہل ایمان کا عقیدہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

دنیا میں کوئی بھی چیز خود بخود نہیں ہے، بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا اور اسی کا بنایا ہوا ہے اور یہ سب بغیر کسی مقصد کے نہیں ہے بلکہ ہر چیز کا ایک مقصد ہے اور وہ ہے انسان کا امتحان، یعنی اللہ تعالیٰ دنیا میں انسانوں کو آزمانا چاہتا ہے کہ ان میں سے عمل کے اعتبار سے کون شخص زیادہ اچھا ہے، اسی لیے فرمایا کہ ہم نے یہ زیب وزینت آزمانے کے لیے بنائی ہے، دنیا کی تمام تر لذتیں اور فوائد اس لیے رکھے ہیں تاکہ انسان کی جانچ ہو سکے اور یہ امتحان لیا جاسکے کہ وہ اچھے اعمال کرتا ہے یا برے، وہ اپنی طبیعت، اپنی خواہش اور اپنے ظاہری فائدے کے خلاف کرتا ہے یا پھر اپنے ظاہری فوائد کے حصول میں ہی لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پرواہ بھی نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان کی زندگی کی حقیقت بتاتے ہوئے فرمادیا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ (بلاشبہ اللہ نے ایمان والوں سے ان کے مالوں اور جانوں کو اس عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کے لیے جنت ہے)

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی جانوں اور ان کے مالوں کو خرید لیا ہے، جس کے عوض میں وہ بندوں کو جنت جیسی نعمت عطا فرمائے گا، جانوں اور مالوں کو خریدنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اختیار دیا ہے اور اس اختیار کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، جس طرح کسی کو عاریۃً استعمال کے لیے کوئی چیز دی جاتی ہے اور دینے والا جب چاہتا ہے اس کو واپس لے لیتا ہے، ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہماری جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے، سب کچھ اللہ کا ہے، لیکن اللہ نے ہم سے لیا نہیں ہے، بلکہ یہ کہا ہے کہ جب تک تم دنیا میں ہو اس کو استعمال کرو، یہ سب چیزیں تمہارے ہی پاس رہیں گی، جب تم دنیا سے جاؤ گے تو یہیں چھوڑ کر چلے جاؤ گے اور پھر وہ سب اللہ کو واپس ہو جائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دنیا اسی حساب سے بنائی ہے اور اسی لحاظ سے انسانوں کو پیدا کیا ہے، جس شخص کو جس زمانہ اور جن حالات میں پیدا کیا ہے، تو اس کو اسی زمانہ کے حالات کے لحاظ سے آزمایا ہے کہ ان حالات میں تم اچھا عمل کر کے دکھاؤ۔

قرآن مجید کی سورت سورۂ کہف ایمان اور مادیت کے اسی تصور کی طرف اشارہ کرتی ہے، جس کے اندر متعدد واقعات کے ذریعہ یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی چیز خود بخود نہیں ہوتی، بلکہ یہ سب چیزیں تو اللہ کی بنائی ہوئی ہیں اور اس نے ہر چیز حکمت سے بنائی ہے، یوں ہی تفریحاً نہیں بنادی ہے، بلکہ ہر ایک چیز میں حکمت رکھی ہے، حتی کہ موجودہ دور میں جو مادی ذرائع ہیں، جن میں انسان نے غیر معمولی ترقی کی ہے، انٹرنیٹ اور کلاسیکی وغیرہ کا انکشاف کیا ہے، آج سب لوگ ان چیزوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، لیکن ایسا نہیں ہے کہ یہ سب چیزیں لوگوں نے پیدا کی ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ سب چیزیں لوگوں نے معلوم کر لی ہیں، پیدا کرنے اور معلوم کرنے دونوں میں فرق ہے، مثلاً ایک کمرہ میں کسی شخص نے قیمتی سامان بھر رکھا ہے، آپ کو اس کا علم نہیں ہے، لیکن جب آپ اس کا دروازہ کھول کر اندر جاتے ہیں تو آپ اس سامان سے واقف ہو جاتے ہیں، ظاہر ہے آپ نے اس کو پیدا نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس سامان کو اپنے ہاتھ سے کمرہ میں رکھا ہے، بلکہ آپ نے صرف اس کو معلوم کیا ہے اور پھر استعمال کرنا شروع کر دیا ہے، لہٰذا آپ کو چاہیے کہ استعمال سے پہلے پتہ کریں کہ کمرہ میں وہ سامان کس نے رکھا اور کیوں رکھا؟ یہ دونوں ہی باتیں معلوم کرنا ضروری ہیں، اس کے بعد آپ یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس کا استعمال کرنا چاہیے یا نہیں۔ ٹھیک اسی طرح انسانوں

کے سامنے اللہ تعالیٰ یہ سوال رکھتا ہے کہ پہلے پتہ کرو یہ دنیا کس نے بنائی ہے اور کیوں بنائی ہے؟ اس کے بعد ہی آپ اس دنیا کے استعمال کا حق رکھتے ہیں، جب آپ کو یہ علم ہوجائے تبھی یہاں کی چیزوں کو ان کے استعمال کا استحقاق ہوتا ہے۔

ظاہر ہے جب انسان اس سوال کا جواب تلاش کرلے گا کہ دنیا کس نے بنائی ہے تو بات واضح ہوجائے گی کہ یہ سب کائنات اللہ کی بنائی ہوئی ہے اور جب یہ پتہ چل جائے گا تو ضروری ہے کہ اللہ کا احسان مانا جائے، پھر وہ یہ بھی پتہ کرے کہ اس نے یہ دنیا کیوں اور کس لیے بنائی ہے؟ تاکہ اسی مقصد کے مطابق عمل کیا جاسکے، احادیث میں دنیا کی تخلیق اور انسانوں کے پیدا کرنے کا مقصد یوں بیان کیا گیا ہے:

"إنكم خلقتم للآخرة والدنيا خلقت لكم" (شعب الإيمان للبيهقي ١٠٥٨١) (بلاشبہ تمہارے لیے آخرت کو بنایا گیا ہے اور دنیا کو تمہارے لیے بنایا گیا ہے۔)

حدیث میں دنیا اور انسان کی تخلیق کا مقصد واضح کردیا گیا، یعنی دنیا کا حق یہ ہے کہ وہ تمہاری ضروریات پوری کرے اور تم کو فائدہ پہنچائے، لیکن تم پر یہ ذمہ داری ہے کہ تم آخرت کی فکر کرو اور آخرت کے لحاظ سے عمل کرو، گویا دنیا ہمارے حسن مقصد کے لیے ایک ذریعہ ہے، لہٰذا ہم اس میں اسراف نہیں برتیں گے، بددیانتی نہیں کریں گے، کسی کا حق نہیں ماریں گے، کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے اور صرف ضرورت کے مطابق دنیا کا فائدہ اٹھائیں گے، اس لیے کہ یہ دنیا اللہ نے ہمارے استعمال کے لیے بنائی ہے، لیکن ہم کو اپنی آخرت کے لیے بنایا ہے، اسی لیے ہم آخرت کی فکر کو اولیت دیں گے، کیونکہ ہم آخرت ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، ہم دنیا سے بس اتنا ہی فائدہ اٹھائیں گے جتنا ہمارے لیے ضروری ہے یا جو آخرت کے لیے ضروری ہے۔

آپ ﷺ مکہ مکرمہ کی سرزمین پر مبعوث ہوئے، جہاں کفار خالص مادی ذہن رکھتے تھے، وہ اللہ کو مانتے تھے، مگر یہ سمجھتے تھے اللہ سب کچھ بنا کر فارغ ہوگیا ہے، اب دنیا اور اس میں جو کچھ ہے یہ ہمارا ہے اور اس کے متعلق ہمیں کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہونا ہے۔ موجودہ تمدن کا بھی یہی فلسفہ ہے، اس کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب خود بخود ہوا ہے، اس کو کسی نے نہیں بنایا اور ہم اس کو پوری طرح اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کا حق رکھتے ہیں، کیونکہ یہ ہمارے لیے ہی ہے، ایسے لوگوں کے نزدیک اللہ کا وجود ماننا یا توحید کا قائل ہونا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، وہ ہر چیز کی مادی توجیہ کرتے ہیں، لیکن آخر میں عاجز و حیران ہوجاتے ہیں اور جواب دینے سے قاصر رہ جاتے ہیں، اگر ان سے سوال کیا جائے کہ کائنات کا اتنا زیادہ دقیق نظام یہ سب خود بخود ہونا کیسے ممکن ہے، تو اس پر وہ پریشان ہوجاتے ہیں اور ان سے کوئی جواب نہیں بنتا، البتہ ان میں سے جو بہت سمجھدار قسم کے لوگ ہوتے ہیں وہ بس اتنا کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی بڑی طاقت نے ہی کیا ہے، مگر اس کو ماننا یا اس کو بنیاد بنانا ان کے مزاج میں شامل نہیں ہے، اس لیے کہ ان کی بنیاد خالص مادی ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز اللہ کے حکم سے ہوتی ہے، بیماری اللہ کے حکم سے ہوتی ہے، صحت اللہ کے حکم سے ہوتی ہے، لوگوں کی عمریں اللہ کی مقرر کی ہوئی ہیں اور انسان جہاں پیدا ہوا ہے، جس خاندان میں پیدا ہوا ہے اور جن حالات میں پیدا ہوا ہے، یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے مقرر ہے جس کو اللہ نے "الکتاب" سے تعبیر فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کرنے سے پہلے پورا نظام بنادیا ہے اور اسی نظام کے مطابق دنیا میں ہر چیز چل رہی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نظام صرف بنا کر نہیں چھوڑ دیا ہے، بلکہ ہر چیز اس کی اجازت سے چل رہی ہے، باریک سے باریک چیز بھی اللہ کے علم میں ہے اور وہ اسی کی اجازت سے ہو رہی ہے، حتی کہ دوائیں بھی اللہ کی اجازت سے فائدہ کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ جس دوا کا فائدہ چاہے روک سکتا ہے، ایمان والوں کو یہی عقیدہ بتایا گیا ہے۔

سچائی کیا ہے؟ (جاری)

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ایمان اور جھوٹ:

حضرت صفوان بن سلیمؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا: کیا مومن بزدل ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، پھر آپ ﷺ سے سوال کیا گیا: کیا مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ فرمایا: ہاں، پھر آپ ﷺ سے پوچھا گیا: کیا مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ (مؤطا مالک، ص ۳۸۸)

مومن اور بزدلی:

مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ سے مومن کے بزدل ہونے کے متعلق پوچھا گیا، جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہونا ممکن ہے، دراصل بعض طبائع ایسے ہوتے ہیں جو اپنے اندر قوت نہیں رکھتے اور کوئی بات برداشت نہیں کر پاتے، ان کے مزاج کے اندر تھوڑی سی کمزوری ہوتی ہے جو بسا اوقات بزدلی تک پہنچ جاتی ہے۔ بعض بڑوں کے بارے میں بھی ایسے واقعات ملتے ہیں کہ ان کے اندر ایسی کمزوریاں تھیں، بعض مرتبہ یہ ایک طبعی کمزوری ہوتی ہے، جس کو بزدلی نہ بھی کہیں تو درست ہوگا۔

حضرت حسانؓ کے متعلق آتا ہے کہ جسمانی اعتبار سے ان کو کچھ ایسی کمزوری تھی کہ وہ جہاد میں نہیں جاسکتے تھے، اگر ان کے سامنے کوئی ایسی سخت بات کہی جاتی تھی تو ان کے لیے برداشت کرنا مشکل ہوجاتا تھا، جب کہ وہ خود دوسری طرف بہت بڑے اسلامی شاعر تھے اور آپ ﷺ کے دفاع میں ایسے اشعار کہتے تھے کہ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: ان کے اشعار تو دشمنوں کے لیے ان کے خلاف تیر سے زیادہ سخت ہیں۔ گویا جس طرح کسی کو تیر لگتا ہے اس سے زیادہ تیز ان کے اشعار لگتے تھے اور بلاشبہ یہ ان کے لیے بڑی عظمت کی بات ہے کہ آپ ﷺ ان کے لیے مسجد نبوی میں منبر رکھواتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ اشعار پڑھو۔ لیکن ان کے اندر یہ ایک کمزوری تھی کہ وہ کوئی بات برداشت نہیں کر پاتے تھے اور ان کے لیے جنگ میں شرکت مشکل ہوتی تھی۔ اسی طرح بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی کمزوری بہت زیادہ ہوتی ہے اور وہ بزدلی تک پہنچ جاتی ہے، لیکن ایمان کے ساتھ اس بزدلی والی کمزوری کا ہونا ممکن ہے، کیونکہ بعض طبائع ایسے ہوتے ہیں جن میں اس طرح کی کمزوری ہوسکتی ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کا بزدل ہونا ممکن ہے۔

مومن اور بخل:

اس کے بعد آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کیا مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! یہ بھی ممکن ہے کہ مومن بخیل ہو۔ دراصل یہ بھی ایک ایسا مسئلہ ہے کہ بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں جن پر چمڑی جائے دمڑی نہ جائے والی مشہور مثال صادق آتی ہے، یعنی ان کے پاس سے پیسہ نہ جائے چاہے کچھ بھی ہوجائے، بسا اوقات بعض لوگ اس میں بھی غلو کر جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض مرتبہ بہت سے دینداروں میں بھی ایسی بات ہوتی ہے کہ وہ فرائض کی حد تک تو خرچ کر لیتے ہیں اور کسی طرح مارے باندھے زکوٰۃ ادا کر دیتے ہیں، جب کہ اب تو بہت سے ایمان والے زکوٰۃ بھی ادا نہیں کرتے، مگر وہ لوگ جو کسی طرح بمشکل زکوٰۃ کا فرض ادا کرتے ہوئے پیسہ نکالتے ہیں، اگر اس کے بعد کوئی ان سے ذرا سا بھی تقاضا کر دے تو ان کے لیے بڑی مشکل ہوجاتی ہے، یہاں تک کہ وہ خود اپنے گھر میں خرچ کرنے میں بڑے بخیل ہوتے ہیں اور بسا اوقات اس سلسلہ میں اتنا تجاوز کر جاتے ہیں کہ لوگ پریشانی میں پڑ جاتے ہیں، گویا یہ بھی مزاج کی ایک بات ہوتی ہے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس سلسلہ میں تجاوز کر جاتے ہیں، حالانکہ ایمان والے کے بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے کہ وہ جب خرچ کرتے ہیں تو ان کی شان یہ ہوتی ہے:

﴿إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ

قَوَاماً﴾(الفرقان: ٦٧) (جوخرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی اور ان کا خرچ اعتدال کے ساتھ ہوتا ہے)

ایمان والوں کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ تو وہ اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ تنگی یا کمی کرتے ہیں، بلکہ وہ درمیان میں رہتے ہیں، بیچ کا راستہ اور اعتدال کا جو راستہ ہے وہ اختیار کرتے ہیں، اعتدال ایمان والے کی صفت ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ خوب اللے تللے اڑاؤ، تو یہ جائز اور درست نہیں۔ البتہ خیر کے کاموں میں خرچ کرنا ایک الگ بات ہے، جتنا بھی آدمی اللہ کے لیے خرچ کرتا چلا جائے اتنا ہی اچھا ہے، مشہور ہے:

"لا خیر فی السرف ولا سرف فی الخیر." (خیر کے کام میں اسراف نہیں اور اسراف میں کوئی خیر نہیں)

مطلب یہ کہ خیر کے کاموں میں آدمی خوب اللہ کے لیے اڑا رہا ہے، اڑا نہیں رہا بلکہ دے رہا ہے، تو یہ اچھی بات ہے اور حدیث میں اس کی فضیلت بیان ہوئی ہے: ''حسد کا جواز صرف دو صورتوں میں ممکن تھا، ایک یہ کہ کسی شخص کو اللہ نے مال کی دولت سے نوازا ہو اور وہ اس کو شب و روز بے دریغ خرچ کرتا ہو اور دوسرے یہ کہ اللہ نے کسی کو قرآن کی دولت عطا کی ہو اور وہ شب و روز اسی (کی تلاوت، تعلیم و تدریس) میں لگا رہتا ہو۔'' (سنن ترمذی:۲۰۶۱)

حدیث کے الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اگر کسی شخص کو مال کی دولت سے نوازا ہے اور وہ اس دولت کو راہِ حق میں لٹاتا ہے، خوب خرچ کرتا ہے، تو یہ چیز اللہ کو بہت پسند ہے اور اس کو باعث رشک سمجھا گیا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص دولت ملنے پر اس طرح اسراف کرے کہ جہاں خرچ نہیں کرنا چاہیے وہاں خرچ کر رہا ہے، مکان دوکان، اپنی گاڑی، اپنے کپڑے، اپنی ضرورتیں جو آسانی سے پوری ہوسکتی ہیں، ان میں تجاوز کر رہا ہے، جیسا کہ اب مالداروں کے یہاں ایک عام سا رواج ہوگیا ہے، یہ سب غلط ہے۔ اب لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ جو کام کم میں ہوسکتا ہے وہ کم میں ہی کرلیں، بلکہ اس کو دکھاوے کے لیے اور زیادہ میں کرتے ہیں۔

بعض لوگ اپنا معمولی لباس ہی کئی کئی ہزار روپئے کا بناتے ہیں، جب کہ کم پیسوں میں بھی کام چل سکتا ہے۔ ہاں اس بات سے انکار نہیں کہ بعض مرتبہ ضرورت کے تحت قیمتی چیز بھی استعمال کرنی پڑتی ہے، جیسے بعض تجار ایسے ہیں کہ وہ جس چیز کی تجارت کر رہے ہیں، اگر وہ خود اس میں ایک لیول پر نظر نہیں آئیں گے تو انہیں کوئی اہمیت ہی نہیں دے گا، اس کے لیے انہیں ضرورت کے تحت مہنگا سامان استعمال کرنا پڑتا ہے۔ مجھے کپڑے کے ایک تاجر نے اپنا کپڑا دکھایا اور بتایا کہ یہ کپڑا ایک ہزار روپئے میٹر کا ہے، وہ دیکھنے میں بہت معمولی تھا مگر قیمت اتنی زیادہ تھی، اس نے بتایا جب ہم لوگ کپڑا خریدنے کے لیے جاتے ہیں تو وہ لوگ ہمارے اسی کپڑے کو دیکھ کر ہمارے معیار کا اندازہ کر لیتے ہیں اور اسی کے مطابق مال دیتے ہیں، اس لیے یہ ہماری ایک مجبوری ہے۔ تو اگر ایسی کوئی مجبوری یا ضرورت ہے تو استعمال کرنے میں حرج نہیں، مگر بلا ضرورت محض دکھاوے کے لیے اسراف کرنا یقیناً غلط ہے اور پیسہ کا ضائع کرنا ہے۔

حاصل بحث یہ کہ بعض مزاج ایسے ہوتے ہیں جن سے پیسہ نکلتا ہی نہیں، ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے اور عام طور سے جو لوگ دیہات کے ہوتے ہیں، ان کے اندر یہ بات کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے، ہم نے کروڑ پتی لوگوں تک کو دیکھا ہے کہ وہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ٹہل رہے ہیں، کیونکہ بس وہ ان کا ایک مزاج بن گیا ہے، ان کی جیب سے پیسہ نکلتا ہی نہیں، حتی کہ ان کے گھر والے بھی ان سے پریشان ہیں۔ ظاہر ہے یہ انتہائی نامناسب بات ہے، اللہ نے مال دیا کس لیے ہے؟ قرآن میں تو ہے:

﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾(الضحیٰ: ١١) (اور جو آپ کے رب کی نعمت ہے اس کو بیان کرتے رہیں)

اس سے پتہ چلا کہ اگر اللہ نے مال کی نعمت دی ہے تو اس کا کچھ اثر بھی ظاہر ہونا چاہیے، مگر اس میں اعتدال ضروری ہے، خیر کے راستوں میں خوب خرچ کرے اور خود پر محتاط ہو کر خرچ کرے۔

رمضان المبارک کا پیغام

محمود حسن حسنی ندوی

انسان کو انسانی صفات وخصوصیات پیدا کرنے کے لیے پاکیزہ ماحول، نورانی فضاء، اور صالح اشخاص کی ضرورت پڑتی ہے اور ایک مدت اس حالت میں گزار کر صحیح ڈگر پر آنا آسان ہو جاتا ہے، یہ چاروں چیزیں اسے اگر کسی زمانہ میں حاصل ہوتی ہیں تو وہ رمضان کا زمانہ ہے، جس میں شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں، اور فساق وفجار بھی علی الإعلان فسق وفجور سے باز آنے لگتے ہیں، اشخاص وافراد میں صالحیت کی شان پیدا ہونے لگتی ہے، فضاء نورانی ہو جاتی ہے، ملائکہ کا نزول ہوتا ہے، نیکیاں کرنا آسان ہو جاتا ہے، عبادات میں دل لگتا ہے، اور اس میں شوق اور ذوق بڑھتا جاتا ہے، پاکیزہ ماحول جس کا ملنا آج کے دور میں سب سے دشوار بن گیا ہے وہ اس زمانہ میں سب سے آسان ہو جاتا ہے، روزہ کی لذت نماز کی حلاوت، ذکر وفکر اور تلاوت کا نور تراویح کا لطف اور اس کی گونج انسان کو ایسا مست کر دیتی ہے کہ وہ اپنے رب کے عشق میں سرشار اور مستانہ وار پھرنے لگتا ہے، اور دوسرے مؤمن کی یہ کیفیت دیکھ کر متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، افطار پارٹیاں کر کے، اور اپنے اپنے طور پر دوسری نیکیاں کر کے وہ بھی ماحول کی پاکیزگی، فضا کی نورانیت اور اشخاص کی صالحیت سے اس موسم میں فائدہ اٹھاتے ہیں، اور اسی میں کتنوں کو ایمان نصیب ہو جاتا ہے، اور کتنے ایمان والے اللہ کے مقرب بن جاتے ہیں، اس موسم کو اللہ نے اعتکاف کے ذریعہ اور زیادہ خوش گوار فرمایا ہے، اور اس مدت میں سب سے محترم رات بھی عنایت فرمائی اور اسے اپنے کلام مجید میں لیلۃ القدر کا نام دیا، اور پھر یہ سوال بھی اٹھایا کہ پتہ بھی ہے کہ لیلۃ القدر ہے کیا؟ اور خود ہی جواب عطا فرمایا ﴿لیلة القدر خیرٌ من ألف شهرٍ﴾ ہزار مہینوں سے یعنی ان تمام مہینوں کے رات ودن سے کہیں بہتر اس ایک رات کی ساعتیں ہیں جس میں ایک نیکی ہزار مہینوں کی رات ودن میں کی جانے والی نیکیوں سے بڑھ کر نیکی ہے، مزید اللہ رب العزت نے اس رات کو سلامتی کی رات قرار دیا، اور طلوع فجر تک اس کا وقت رکھا، وقت کتنا مختصر غروب آفتاب سے طلوع صبح صادق تک یعنی افطار کے وقت سے سحری کا وقت ختم ہونے تک، لیکن کیفیت کے اعتبار سے اس رات کو سالہا سالوں پر محیط کر دیا، اور جو بڑی عمریں پچھلی امتوں کے افراد کو دی گئی تھیں اور ان کے نیکوکار لوگوں کو نیکی کرنے کا طویل المدتی عہد دیا گیا تھا، لیکن اس رات امت محمدی کے اشخاص کو اللہ نے اس مختصر وقت میں وہ انعام عطا کر دیا، اس انعام کی صحیح قدردانی تو یہ تھی کہ ہر رات کو غنیمت جاننا چاہیے تھا، ہر شب کا استقبال مسجد میں کرنا چاہیے تھا اور ہر شب کو الوداع جاگ کر کہنا چاہیے تھا، اور جو ایسا کرتا ہے اس پر اللہ کے مزید انعامات ہوتے ہیں، حضور سرور کائنات (ﷺ) سے فرمایا گیا:

﴿أقم الصلوٰة لدلوك الشمس إلىٰ غسق الليل و قرآن الفجر إن قرآن الفجر كان مشهوداً و من الليل فتهجد به نافلةً لك عسىٰ أن يبعثك ربك مقاماً محموداً﴾

نماز وعبادت کے ساتھ سب سے اونچے مقام مقام محمود پر فائز کیے جانے کے انعام کو جوڑ کر دوسرے انسانوں کو یہ پیغام دیا کہ نماز کے ذریعہ بندہ اپنے رب کا بڑا تقرب حاصل کر سکتا ہے، اور جن جن لوگوں سے اللہ نے بڑے کام لیے ان کی زندگیوں میں نماز نے بڑی اہم جگہ بنا رکھی تھی اور نماز میں ان کا یہ حال ہوتا تھا کہ وہ نماز کی حالت میں دنیا وما فیھا کو بالکل بھول جاتے تھے، اور اپنے رب سے مناجات کے اس لمحہ میں وہ کسی اور کی سرگوشی ذرا گوارہ نہ کرتے تھے، اور اس میں رخنہ ڈالنے والا انہیں سب سے زیادہ مبغوض ہوتا تھا اور بسا اوقات ان کے لیے ملعون بھی بن جاتا تھا۔

دوسری چیز روزہ ہے کہ اللہ کی خاطر بھوک، پیاس اور خواہشات نفس اور اندرونی تقاضوں کو دبانا، اور جائز وحلال طریقہ سے اس وقت ان کا استعمال کرنا جب ان کے لیے شریعت کی طرف سے اس کی اجازت دی گئی، اس کا بڑا فائدہ اللہ نے یہ رکھا کہ اس کی بدولت قلب کی طہارت وتزکیہ کی صفت عطا فرما کر، اعمال قلوب میں سب سے اعلیٰ خصوصیت تقویٰ کی دولت عطا فر دیتا ہے، ﴿لعلكم تتقون﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

دنیا میں تو اہل تقویٰ اور اہل ایمان وایقان کو سخت آزمائشوں اور ابتلاءات سے گزرنا پڑتا ہے لیکن آخرت میں اللہ نے جو انعامات، حسین باغات، قصور ومحلات، حور وغلمان اور دودھ وشہد وغیرہ کی نہروں کے رکھے ہیں اور سب سے بڑھ کر اپنے دیدار سے محظوظ ہونے کا انعام رکھا ہے وہ انہی اہل تقوی وطہارت کے لیے ہے، رمضان کے موسم میں اللہ نے اپنے بندوں پر جو انعامات نازل فرمائے ان میں ایک بڑا انعام نزول قرآن مجید کا ہے: ﴿شهر رمضان الذی أنزل فیه القرآن هدیً للناس و بینٰت من الهدیٰ و الفرقان، فمن شهدمنکم الشهر فلیصمه ﴾(البقرۃ:۱۸۵) اسی لیے اس موسم کو قرآن کریم سے خاص مناسبت ہے اور جو اس موسم میں جتنا قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور جتنا سنتا اور سناتا ہے اس کے اندر راہ ہدایت، جادۂ حق پر گامزن ہونے اور حق و باطل، خیر وشر کی تمیز کرنے کی صلاحیت واستعداد پیدا ہوتی جاتی ہے۔

عبادات کے تعلق سے رمضان المبارک کو ان تین اعمال سے خاص مناسبت ہے، نماز جس کی ندا پورے سال اور دن میں پانچ بار ہر حال میں اور ہر جگہ لگائی جاتی ہے، اس ماہ مبارک میں تراویح کی سنت کا اضافہ کر دیا گیا، اور روزہ جو اس ماہ مبارک کی خصوصیت ہے اور اس کے ہر دن کو رکھا جاتا ہے، اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ خصوصی طور پر عطا فرمائیں گے۔

تیسری چیز تلاوت ہے، یہ بھی ہر روز کا حق ہے لیکن اس ماہ مبارک میں اس کے حقوق بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں، تلاوت عبادت کے جذبہ سے اور اس کے احکام اوامر ونواہی کو عمل میں لانے کے حوصلہ سے کرنا قلب کے تصفیہ اور نفس کے تزکیہ کا باعث بھی ہے۔

اللہ نے ایمان میں داخلہ کے لیے انسانوں کو جو کلمہ عطا فرمایا وہ ہے لا إلٰـه إلا الله کا کلمہ، اس کی کثرت بھی خصوصیت سے رکھنا چاہیے کہ اس سے ایمان کی تجدید بھی ہوتی ہے، اور ایمان کے بغیر کوئی بھی عمل خواہ کتنا ہی اچھا ہو معتبر نہیں، اور اس کلمہ کی کثرت سے ایمان پر خاتمہ اور اچھا انجام نصیب ہوتا ہے، اللہ کی تسبیح، تمجید، تقدیس اور حمد بھی خوب بیان کرنا چاہیے، اللہ کے نبی ﷺ پر درود شریف کی کثرت بھی کہ آپ ﷺ پر ہی قرآن پاک نازل ہوا، اس شریعت کے ساتھ آپ ﷺ مبعوث کیے گئے اور استغفار کہ وہ مقبولیت کی شان اور نیکیوں کے قبول کیے جانے کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔

اس کے ساتھ دعاؤں کا خوب اہتمام کہ انہیں عبادات کا مغز قرار دیا گیا ہے اور اس ماہ مبارک میں ہر روز وشب ایسی ساعتیں رکھی گئی ہیں جن میں جو مانگو وہ مل جاتا ہے، اس لیے کوسنے اور بد دعا دینے سے گریز بھی کرنا چاہیے اور افطار اور سحر میں دعا کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

اللہ نے اس مہینہ میں بڑی برکتیں رکھی ہیں، اور اس میں ہمدردی، غمخواری، دلجوئی، جود وسخا، انفاق فی سبیل اللہ، دوسروں کا تعاون، غریب پروری کو بہت پسند فرمایا ہے، اور یہ خرچ اور دوسری نیکیاں ستر گنا اور کبھی کبھی سینکڑوں گنا ثواب کا ذریعہ بن جاتی ہیں، ان کا بھی خیال رکھنا اولین ترجیحات میں ہونا چاہیے، اور الحمد للہ اہل توفیق ایسا ہی کرتے ہیں۔

یہ سب نیکیاں ہیں اور یہ نیکیاں اپنا صحیح اثر اسی وقت دکھاتی ہیں جب منکرات، فواحش اور بڑے گناہوں سے بچا جائے، مال حرام سے افطار روزے کا ناس کر دیتا ہے، اور فواحش ومنکرات روزے کے ثواب کو ختم کر دیتے ہیں، جھوٹ غیبت روزے کو مکروہ کر دیتے ہیں، اور رمضان کی برکات سے محرومی کا سبب بھی بنتے ہیں رمضان المبارک کو اللہ نے تین عشرات میں تقسیم کیا، عشرہ رحمت، عشرہ مغفرت اور عشرہ عتق من النار۔

اللہ نے یہ انعامات عطا فرمائے، ان کی قدردانی یہ ہے کہ ہر عشرہ کو اس سے پہلے کے دنوں سے بہتر سے بہتر طریقہ سے گزارا جائے اور رمضان کے اختتام پر شب عید میں مزید پھر انعام سے سرفراز ہوا جائے اور لیلۃ الجائزہ میں اپنے رب کا برگزیدہ بن کر سرخرو ہوا جائے، ایک ظاہری انعام مہینہ کے ختم پر اگلے دن روزے کے بجائے افطار سے دیا جاتا ہے لیکن اصل انعام تو آخرت میں حوض کوثر پر افطار سے اس وقت ملے گا جب جام کوثر سرور کائنات ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا، اور وہاں روزے کھلے گا وہ اسلام کا اور پوری زندگی کا روزہ ہوگا جو وہاں کھلے گا رمضان کا روزہ اس بڑے روزہ کو صحیح طور پر پورا کرنے کی ایک مشق اور مؤثر طریقہ ہے۔

روزہ کے مختلف مسائل

مفتی راشد حسین ندوی

سحری و نیت

روزے چاہے رمضان کے ہوں، چاہے کسی اور چیز کے بہر حال ان کے لیے سحری کھانا سنت ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ''سحری کھایا کرو، اس لیے کہ سحری کھانے میں برکت ہے''۔ (متفق علیہ)۔ ایک دوسری حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق اور امتیاز سحری کھانے کا ہے (کہ ہم کھاتے ہیں، وہ نہیں کھاتے)۔ (مسلم)

رہی نیت تو اس کے بغیر روزہ نہیں ہوگا، چنانچہ اگر ایک شخص صبح سے شام تک ان تمام چیزوں سے احتراز کرے جن سے روزہ دار احتراز کرتا ہے لیکن اس کی نیت روزہ رکھنے کی نہ ہو تو اس کا روزہ نہیں ہوگا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو فجر سے پہلے ہی نیت نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ (ترمذی)

بعض دوسری احادیث کے پیش نظر فقہاء نے فرمایا کہ زوال سے ایک گھنٹہ پہلے نیت کر لے بشرطیکہ کچھ کھایا پیا نہ ہو تو رمضان اور نفلی روزہ رکھنا درست ہوگا، اور نیت کا محل چونکہ دل ہوتا ہے لہٰذا صرف دل میں یہ ارادہ کر لینا کافی ہے کہ کون سا روزہ رکھ رہا ہوں، زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے، البتہ بہتر یہی ہے کہ زبان سے بھی کہہ دے۔

جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے

بھول کر کھانے پینے، سر میں تیل لگانے، عطر لگانے اور نہانے دھونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اگر دن میں سو جائے اور احتلام ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اسی طرح دن میں انجکشن لگوانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ فوری ضرورت نہ ہو تو افطار کے بعد انجکشن لگوائے، مسواک خواہ تازی اور ہری ہو یا چاہے خشک ہو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، البتہ منجن وغیرہ کرنا مکروہ ہے اور اگر منجن حلق سے نیچے اتر جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر زبان سے کوئی چیز چکھ کر تھوک دے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے۔

رمضان کے مہینہ میں اگر کسی کا روزہ کسی وجہ سے ٹوٹ جائے تب بھی اس پر واجب ہے کہ رمضان کے احترام میں دن میں روزہ دار کی طرح کھانے پینے سے احتراز کرے۔

قضا وکفارہ واجب ہونے کی صورتیں

روزے کو فاسد کرنے والی چیزیں دو طرح کی ہیں، بعض وہ ہیں جن سے قضاء بھی لازم ہوتی ہے اور کفارہ بھی لازم ہوتا ہے، اور یہ چیزیں تین ہیں:

۱- میاں بیوی کا مخصوص تعلق کرنا، خواہ مادہ خارج ہو یا نا ہو، دونوں شکلوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا اور کفارہ لازم ہوگا، اگر یہ عمل عورت کی رضامندی سے ہوا تو اس پر بھی کفارہ لازم ہوگا، اور اگر اس کی رضامندی نہیں تھی، شوہر نے یہ عمل زبردستی کیا تو عورت پر صرف قضاء لازم ہوگی، اگر ابتداء میں اسے مجبور کیا گیا ہو اور بعد میں اس کی رضامندی ہوگئی ہو تب بھی اس پر صرف قضاء لازم ہوگی۔

۲- جان بوجھ کر کسی ایسی چیز کا کھانا جس کو بطور غذاء یا دوا استعمال کیا جاتا ہے، جیسے روٹی چاول شربت یا کسی دوا کا استعمال کرنا۔ اس کے برخلاف اگر بھولے سے یہ اعمال انجام دے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر کوئی ایسی چیز کھائے جسے غذاء یا دوا کے طور پر کھایا نہیں جاتا ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا، مثلاً کوئی کنکری یا لوہے کا ٹکڑا کھالے۔

ان تین چیزوں سے کفارہ واجب ہونے کا ذکر اشارۃً یا صراحتاً حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث میں آیا ہے، فرماتے ہیں کہ ہم سب آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بدو حاضر خدمت ہوئے اور کہا اے اللہ کے رسول! میں تباہ ہو گیا؛ آپ ﷺ نے پوچھا، کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ میں نے (رمضان کے) روزہ کی حالت میں بیوی سے جماع کر لیا۔ آپ نے پوچھا، کیا آزاد کرنے کے لیے تمہارے پاس غلام ہے؟ اس نے کہا، نہیں؛ آپ نے فرمایا، تو کیا دو مہینے مسلسل روزہ رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا، اتنا مال ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا سکو؟ اس نے کہا نہیں (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ جماع سے قضاء و کفارہ دونوں لازم ہوں گے، اور اشارۃً یہ بھی معلوم ہوا کہ چونکہ کھانا پینا بھی اسی کے درجہ میں

ہے لہٰذا اس کا بھی یہی حکم ہوگا، ساتھ ہی کفارہ کی ترتیب بھی معلوم ہوئی کہ پہلے نمبر پر غلام آزاد کرنا ہے، نہ کر سکے جیسا کہ موجودہ دور میں غلامی کا خاتمہ ہوجانے کے سبب کسی کے لیے بھی یہ شکل ممکن نہیں ہے تو دو مہینے ئے گا، حالانکہ اس کے بارے میں کچھ تفصیل ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس کو روزہ کی حالت میں خود سے قے ہوجائے اس پر قضاء نہیں ہے اور جو جان بوجھ کر قے کرے اس پر قضاء لازم ہے۔ (ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی) اس حدیث کی بنیاد پر فقہاء نے فرمایا کہ قے کی کئی حالتیں ہوسکتی ہیں لیکن روزہ صرف دو حالتیں میں ٹوٹے گا: (۱) ایمسلسل روزے رکھے، اگر ان روزوں کے درمیان رمضان آگیا یا ایام تشریق آگئے تو تسلسل ٹوٹ جائے گا، اور ابتداء سے روزے رکھنے پڑیں گے، یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جب بیمار ہوجائے یا عورت نفاس کی حالت میں ہوجائے، تسلسل اس سے بھی ٹوٹ جائے گا، البتہ اگر درمیان میں عورت کو حیض پیش آجائے تو وہ روزے رکھنا بند کردے، پھر حیض رک جائے تو جتنے روزے باقی رہ گئے تھے صرف وہی رکھ لے پھر سے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور اگر کسی کو روزہ رکھنے کی بھی طاقت نہیں ہے تو ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، یا ہر مسکین کو صدقۂ فطر کے بقدر غلہ دے یعنی نصف صاع (۱/کلو ۶ سو ۳۳ گرام) گیہوں یا ایک کیلو جو یا کھجور یا ان چیزوں کے قیمت کے بقدر کوئی دوسری چیز یا نقد روپئے دے، اگر اس طرح کرنے کے بجائے کسی ایک مسکین کو ساتھ دن تک دو وقت کھانا کھلا دے تب بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔

قضا واجب ہونے کی صورتیں

وہ ہے جس سے صرف قضاء لازم ہوتی ہے، کفارہ لازم نہیں ہوتا، یہ چیزیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱- اگر کسی کو کھانے پر جان و مال کی دھمکی دے کر مجبور کیا گیا' اور اس نے خوف سے کھالیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن صرف قضاء لازم ہوگی' یہی حکم اس وقت ہوگا جب غلطی سے کچھ کھا پی لے، یعنی روزہ یاد تھا کھانے یا پینے کا ارادہ نہیں تھا لیکن کھانے پینے کی چیز حلق سے نیچے اتر گئی، اس طرح بھولے سے کھانا الگ چیز ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اور غلطی سے کھانا الگ چیز ہے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء لازم ہوجاتی ہے۔

۲- اگر کوئی ایسی چیز کھائی یا پی جس کو بطور دوا یا غذاء نہیں کھایا یا پیا جاتا ہے جیسے کنکری وغیرہ۔

۳- دانتوں میں کوئی چیز اٹکی ہوئی تھی اگر وہ چنے کے برابر یا اس سے بڑی تھی تو اس کو نگلنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضاء ہوگی اور اگر چنے سے چھوٹی تھی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن یہ اس وقت ہے جب منہ سے نہ نکالا ہو اگر نکال کے کھائے تو چیز چھوٹی ہو یا بڑی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۴- اگر حقنہ لگایا، یا ناک کے اندرونی حصہ میں دوا ڈالی، یا کان میں تیل یا کوئی دوا ڈالی، یا عورت نے اپنے مخصوص شرم گاہ میں دوا ڈالی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضاء لازم ہوگی، لیکن اگر آنکھ میں دوا ڈالی یا سرمہ لگایا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح اگر کان میں پانی ڈالا تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

۵- اگر اگربتی یا لوبان سلگائی پھر اس کو سونگھا اور دُھواں اندر چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اسی طرح سگریٹ بیڑی وغیرہ سے بدرجہ اولیٰ روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۶- قے کے بارے میں لوگوں میں عام طور سے یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ چاہے جس طرح کی بھی قے ہو روزہ ٹوٹ جائے گا، حالانکہ اس کے بارے میں کچھ تفصیل ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس کو روزہ کی حالت میں خود سے قے ہوجائے اس پر قضاء نہیں ہے اور جو جان بوجھ کر قے کرے اس پر قضاء لازم ہے۔ (ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی) اس حدیث کی بنیاد پر فقہاء نے فرمایا کہ قے کی کئی حالتیں ہوسکتی ہیں لیکن روزہ صرف دو حالتیں میں ٹوٹے گا: (۱) ایک تو یہ کہ منہ بھر کے قے ہو اور روزہ دار اس کو نگل جائے۔ (۲) عمداً منہ بھر کے قے کرے، باقی کوئی صورت مفسد صوم نہیں ہے۔

پان تمباکو اور سیگریٹ بیڑی کا حکم

اسی حکم میں پان تمباکو اور سیگریٹ وغیرہ بھی ہیں، پان تمباکو کی پیک اگر کوئی نگل لیتا ہے تو بالکل واضح بات ہے کہ اس نے ایک چیز حلق کے نیچے اتار لی، لہٰذا اس سے روزے کے چلے جانے میں

کوئی شبہ کی بات ہی نہیں ہے، لیکن بعض لوگ پیک نگلتے نہیں ہیں صرف پان یا تمباکو چبا کر اس کو تھوک دیتے ہیں، اس سے بعض حضرات کو شبہ ہوتا ہے کہ اس سے شاید روزہ نہ ٹوٹے اس لیے کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ کسی چیز کے چبانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور اس شکل میں صرف ایک چیز کو چبایا گیا کھایا نہیں گیا، لیکن یہ شبہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ کھانے پینے کو مفسد صوم قرار دیا گیا ہے، اور ان چیزوں کے چبانے کو بھی کھانا کہتے ہیں، پھر کچھ اجزاء بہر حال حلق کے نیچے اترتے ہیں، ساتھ ہی اس کے عادی لوگوں کو اس میں خاص لذت ملتی ہے، لہٰذا نہ صرف یہ کہ ان سے روزہ ٹوٹ جائے گا، بلکہ اگر ان چیزوں کو جان بوجھ کر استعمال کیا گیا تو کفارہ بھی لازم ہوگا، اسی حکم میں گل سے دانت مانجھنے کا بھی حکم ہوگا، اس لیے کہ اس میں بھی خاص لذت ملتی ہے، اور کچھ اجزاء کے حلق کے نیچے اتر جانے کا قوی امکان رہتا ہے۔

جہاں تک بیڑی سیگریٹ وغیرہ کا تعلق ہے تو اس میں جان بوجھ کر دُھواں اندر لیا جاتا ہے اور جان بوجھ کو دُھواں اندر لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا ان تمام چیزوں سے پرہیز ضروری ہے۔

منجن اور ٹوتھ پیسٹ کا حکم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کی بڑی تاکید فرمائی ہے، اس اعتبار سے فقہاء نے رمضان میں بھی مسواک کرنے کی اجازت دی ہے، چاہے مسواک کی لکڑی سوکھی ہو یا گیلی، لیکن اگر مسواک کی تری یا اس کی لکڑی حلق کے نیچے اتر جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا روزہ کی حالت میں مسواک کرتے ہوئے اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ مسواک کی تری یا لکڑی کا کوئی حصہ حلق سے نیچے نہ اترنے پائے۔

جہاں تک منجن اور ٹوتھ پیسٹ وغیرہ کا تعلق ہے تو ان کا حکم مسواک کے حکم سے الگ ہے، اس لیے کہ ان میں ذائقہ بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے، لہٰذا جس طرح فقہاء نے فرمایا کہ کسی عذر کے بغیر کسی چیز کا چبانا مکروہ ہے اسی طرح ان سب چیزوں کا بھی حکم ہوگا، البتہ کسی خاص عذر سے اگر ان چیزوں سے دانت مانجھ لے تو انشاء اللہ کراہت نہیں ہوگی۔

آکسیجن کا حکم

دمہ کے سخت مریض کو دورہ پڑنے کے وقت آکسیجن پہنچائی جاتی ہے، روزہ کی حالت میں اس طرح آکسیجن لینے کا کیا حکم ہوگا؟ فقہی جزئیات کو سامنے رکھا جائے تو خیال ہوتا ہے کہ اگر آکسیجن کے ساتھ کوئی دوا نہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ سانس لینا ہے اور سانس کے ذریعہ ہوا لینا نہ مفسد صوم ہے اور نہ اس پر اکل وشرب کا اطلاق ہوتا ہے، اگر اس کے ساتھ دوا کے اجزاء بھی ہوں تو پھر اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا (جدید فقہی مسائل: ۱/ ۱۸۸)

جہاں تک دمہ ہی کے مریض کے لیے انہیلر کے استعمال کا تعلق ہے تو چونکہ اس میں دوا ملی ہوئی ہوتی ہے لہٰذا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

انجیکشن اور ڈرپ لگوانے کا حکم

جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ انجکشن خواہ کسی بھی قسم کا ہو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا خواہ رگ میں لگایا جائے یا گوشت میں، یہی حکم ڈرپ لگوانے کا بھی ہے، لیکن بغیر کسی عذر کے بہتر یہی ہے کہ دن میں نہ لگوائے، رات میں لگوائے، ضرورت ہو تو دن میں بھی لگوا سکتا ہے، لیکن صرف اس مقصد سے ڈرپ لگوانا کہ بدن میں طاقت آجائے اور پیاس میں کمی ہو جائے مکروہ ہے۔

زبان کے نیچے دوا رکھنے کا حکم

فقہاء نے بلا عذر کسی چیز کو منہ میں رکھنے اور چکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، البتہ یہ وضاحت کی ہے کہ اگر کسی عذر سے ایسا کرے تو کراہت نہیں ہوگی، عذر کی مثال میں فقہاء نے لکھا ہے کہ شوہر اگر بداخلاق اور سخت مزاج والا ہو تو اس کی بیوی کے لیے نمک وغیرہ کا پتہ لگانے کے لیے چکھنا جائز ہوگا۔ لیکن ساتھ ہی فقہاء نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ اگر کوئی ایسی چیز منہ میں رکھی اور چبائی جس کا حلق کے نیچے اتر جانا ظن غالب کے درجہ میں ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اس کی مثال میں فقہاء نے بعض گوندوں کا نام لیا ہے، غالباً اسی وجہ سے ہمارے علماء نے پان تمباکو وغیرہ منہ میں رکھنے کو مفسدِ صوم قرار دیا ہے، اس لیے کہ اس کے اثرات واضح طور پر حلق کے نیچے جاتے ہیں اور تمباکو کی طلب پوری ہو جاتی ہے۔

اس تفصیل کے بعد ہم آسانی سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ''انجائنا'' کے مریضوں کے لیے Angised کا استعمال اس ضرورت سے کہیں بڑھ کر ہے جس کے تحت بیوی کو نمک چکھنے کی

اجازت دی گئی ہے، اور سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ یہ دوا حلق کے نیچے تو نہیں اترتی؟ اگر احتیاط کے باوجود دوا کے ذرّات مخصوص گوند کی طرح حلق کے نیچے اتر جاتے ہوں تو اس کے منہ میں رکھنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اور زبان کے نیچے رکھنے کے بعد افاقہ ہوجانے سے لگتا ہے کہ بظاہر یہی بات ہے، لیکن ماہرین کی رائے ہے کہ ایسا نہیں ہے، اسی کے پیشِ نظر کہا جاسکتا ہے کہ جہاں تک ہوسکے روزہ دار اس گولی کا استعمال نہ کرے، لیکن اس کے استعمال سے روزہ اسی وقت فاسد ہوگا جب دوا ملا ہوا لعاب حلق کے نیچے اتر جائے، صرف زبان کے نیچے گولی رکھنا مفسدِ صوم نہیں ہوگا۔

انھیلر کے استعمال کا حکم

جن لوگوں کو تنفس اور دمہ وغیرہ کی شکایت ہوتی ہے ان کو انہیلر (Inhaler) کے ذریعہ دوا کا استعمال کرنا پڑتا ہے، اس کے ذریعہ سفوف کا نہایت مختصر جزء پھیپھڑے تک پہنچایا جاتا ہے، فقہاء کے نزدیک اس طریقۂ علاج کے ذریعہ دوا کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لیے کہ فقہی جزئیات سے صاف طور پر ظاہر ہورہا ہے کہ منافذ اصلیہ سے جب کسی چیز کو داخل کیا جارہا ہو تو محض ادخال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور انہیلر کے استعمال سے بہرحال ادخال ہوتا ہے خواہ دوا کی مقدار معمولی ہی کیوں نہ ہو۔

بھاپ کی شکل میں دوا کا استعمال

نمونیہ اور بعض دوسرے امراض میں بھاپ کے ذریعہ بھی دوا استعمال کی جاتی ہے، یہ استعمال کبھی دوا کو پانی میں ڈال کر اور پانی کو کھولا کر اس کی بھاپ منہ اور ناک سے لے کر کیا جاتا ہے، اور کبھی یہ عمل بعض آلات کے ذریعہ کیا جاتا ہے، بہرحال بھاپ خواہ کسی آلہ کی مدد سے اندر لے جائے یا سادہ طریقہ سے، دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لیے کہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ عمداً دھواں حلق کے نیچے اتارنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور یہ بات اس میں مکمل طور سے پائی جاتی ہے۔

بواسیری مسّوں پر مرہم کا حکم

اگر پیچھے کے راستہ سے کسی دوا کا استعمال کیا جائے اور دوا موضع حقنہ تک پہنچ جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے کہ فقہاء نے اس کو بھی منافذِ اصلیہ میں شمار کیا ہے، البتہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر دوا موضع حقنہ تک نہ پہنچے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ بواسیری مسوں پر کوئی دوا یا مرہم لگانے سے یا ان کو پانی سے تر کرکے چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اس لیے کہ واقف کاروں کا کہنا ہے کہ بواسیری مسّے موضع حقنہ سے کافی نیچے ہوتے ہیں۔

تحقیق مرض کے لیے آلات کا استعمال

اگر امراض کی تحقیق کے لیے پچھلی شرم گاہ میں کسی آلہ سے مدد لی جائے تو اگر یہ آلات خشک ہیں اور ان کا ایک سرا باہر ہے جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے تو ان آلات کے اندر داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن اگر آلہ پر کوئی تیل یا گریس جیسی چیز لگا کر اس کو داخل کیا گیا ہے تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔

یہی حکم عورت کی اگلی شرم گاہ میں تحقیق کے لیے کسی آلہ کے داخل کرنے کا بھی ہے۔

رحم تک آلات پہنچانا

رحم کی صفائی کے لیے اور فمِ رحم کو کشادہ کرنے کے لیے جو آلات (Dilators) استعمال کیے جاتے ہیں، اور اندرونی رحم کھرچنے کا آلہ (Curette) اگر ان پر کوئی تیل وغیرہ لگا کر ان کو داخل کیا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر ان کو خشک داخل کیا گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

لیکن اگر خشک داخل کرکے اور ایک مرتبہ باہر نکال کر دوبارہ صاف کیے بغیر ان کو پھر داخل کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

عورت کا شرمگاہ میں دوا کا رکھنا

اگر اندرونی حصہ میں دوا رکھی جائے، یا رکھی اوپری حصہ میں جائے لیکن وہ اندرونی حصہ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، خواہ دوا خشک ہو یا تر ہو۔

مثانہ تک نلکی پہنچانا

اگر مرد کے مثانہ تک نلکی پہنچائی جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، خواہ نلکی خشک ہو یا تر، اس سے دوا پہنچائی جائے یا نہیں، اور اگر عورت کے مثانہ میں نلکی پہنچائی تو اگر نلکی تر ہے یا اس سے دوا پہنچائی گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن اگر نلکی خشک ہو اور اس سے دوا بھی نہ پہنچائی جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

ایمان کی توفیق اور مشیت الٰہی

عبدالسبحان ناخداندوی

رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی طرف سے بے چین دل عطا ہوا تھا، آپ ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ سب کے سب لوگ ایمان لاکر جہنم سے بچ جائیں، ہوسکتا ہے کہ ذہن مبارک میں کبھی یہ خیال بھی آجاتا ہو کہ بھلے زبردستی ہی سہی ایک مرتبہ سب ایمان لے آئیں تو بعد میں خود ان کا ایمان ان کو صحیح راستہ پر قائم رکھے گا، یہ انسانیت کی آخری درجہ تڑپ رکھنے والے بے چین دل کی تمنا تھی جو شاید رہ رہ کر اٹھتی تھی، اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں آپ ﷺ کی اس کیفیت کو کئی جگہ بیان کیا ہے اور تسلی آمیز آیات نازل فرمائی ہیں، انہی آیات میں سے ایک مبارک آیت سورۂ یونس کی بھی ہے، جس میں اللہ نے چند حقائق بیان فرما کر آپ ﷺ کی تسلی کا سامان فرمایا ہے، فرمایا:

﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعاً أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُواْ مُؤْمِنِينَ ☆ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تُؤْمِنَ إِلاَّ بِإِذْنِ اللّهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لاَ يَعْقِلُونَ﴾ (اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں جو ہیں سب کے سب اکٹھے ایمان لے آتے، تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ ایمان والے ہو ہی جائیں، اور کسی جان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اللہ کی مشیت کے بغیر ایمان لائے اور وہ ان لوگوں پر گندگی تھوپ دیتا ہے جو عقل نہیں رکھتے ہیں) (یعنی عقل سے کام نہیں لیتے ہیں۔)

اس آیت میں سب سے پہلے اللہ نے اشارۃً یہ بتادیا کہ آپ اس حد تک بے چین نہ ہوں، آپ کی خواہش اور تمنا اپنی جگہ پر لیکن ہمیں زبردستی کا ایمان نہ مطلوب ہے نہ منظور ہے، اگر زبردستی ایمان دینا ہوتا تو روئے زمین پر کوئی ایک بھی مشرک یا کافر نہ ہوتا سب کے سب مومن ہوتے، ہمیں وہ ایمان مطلوب ہے جو بندہ اپنے اختیار سے لائے، جن کی قسمت میں ہوگا وہ ضرور ایمان لائیں گے، البتہ ایمان لانے والے وہ لوگ ہوں گے جو دعوت ایمان کی قدر کریں گے، ان کے لیے ایمان کی راہیں آسان کردی جائیں گی، آپ اطمینان سے اپنا کام کریں، اس قدر بے چین نہ ہوں کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ زبردستی ان کو مومن بنا کر ہی دم لیں گے، ایمان کی نعمت یوں ہی نہیں ملتی، جو اس کی قدر کرے گا اور اس کے لیے آگے بڑھے گا وہ اس نعمت سے سرفراز کیا جائے گا۔

آنحضرت ﷺ کی شدید ترین خیر خواہی کو اللہ رب العزت نے نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنا فیصلہ بھی سنادیا، ایک اور مقام پر بھی اللہ رب العزت نے اسی طرح کی بات دوسرے انداز سے ارشاد فرمائی ہے، ارشاد ہے:

﴿إِن تَحْرِصْ عَلَى هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِي مَن يُضِلُّ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ﴾ (اگر آپ کو ان کی ہدایت کی شدید خواہش ہے تو وہ اپنی جگہ، البتہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دیتا جن کو وہ گمراہ کرتا ہے اور ایسے لوگوں کے کوئی مددگار نہیں ہوں گے)

سورۂ یونس کی مذکورہ دوسری آیت بھی پہلی آیت کی مزید تشریح کررہی ہے، یعنی جس طرح اللہ کی مشیت سے تمام کام ہوتے ہیں، اسی طرح ایمان جیسی عظیم و لازوال دولت بھی اسی کی مشیت سے حاصل ہوتی ہے، وہ اگر چاہے گا تو یہ لوگ بھی ضرور ایمان کی دولت سے مالا مال ہوں گے، البتہ جو لوگ اس کی دی ہوئی عقل سے کام نہیں لیتے، کائنات میں بکھری ہوئی توحید کی نشانیوں سے سبق نہیں لیتے، زندگی کو محض کھیل اور تفریح سمجھتے ہیں، ایمان اور ایمان کی دعوت کو کارِ فضول سمجھ کر نظر انداز کرتے ہیں، گویا جو سکہ حقیقت میں موت اور زندگی کا سکہ ہے، اسے فضول و غیر ضروری سمجھتے ہیں، ایسے لوگوں کی عقلوں پر گندگی تھوپ دی جاتی ہے اور وہ عقل رکھنے کے باوجود بے عقل ہی رہتے ہیں، پھر ان کی بے عقلی ان کے لیے ایمان کی راہوں سے گریز کا سبب بنتی ہے، ایسے لوگ جنہوں نے ایمان نہ لانا طے کرلیا ہو ان ہی کے بارے میں کہا گیا ہے:

﴿وَمَا تُغْنِي الآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَن قَوْمٍ لاَّ يُؤْمِنُونَ﴾ (جن کو ایمان نہ لانا ہے ان کو آخر نشانیاں اور تنبیہات کیا فائدہ پہنچا سکتی ہیں)

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان سب سے بڑی عقل مندی اور پاکیزگی ہے اور ایمان سے دوری ومحرومی سب سے بڑی بے عقلی اور گندگی ہے۔

اللہ کی مشیت سے متعلق یہ اصولی باتیں ذہن میں رہیں کہ تمام نیک کام اللہ کی مشیت سے ہوتے ہیں، ان کاموں سے اللہ خوش ہوتا ہے، نیک کام کرنے سے پہلے اللہ کی مشیت کا حوالہ دے کر ان کاموں کی ترغیب دینا، ان کی دعوت دینا، ان کاموں پر لوگوں کو آمادہ کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ یہ کارِ خیر ہے اور اللہ کو پسند بھی ہے، جیسے کوئی یوں کہے کہ اللہ چاہتا ہے کہ تم نیک بنو، اللہ والے بنو، نیکیوں میں ترقی کرو اور اللہ کا قرب حاصل کرو، یہاں چونکہ مشیت کے ساتھ اللہ کی رضا مندی اور خوشنودی بھی شامل ہے، اس لیے اس طرح کہنا بہت بہتر ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، تمام خرابیاں اور برائیاں اللہ کی مشیت سے ہوتی ہیں، لیکن خرابی یا برائی سے پہلے اللہ کی مشیت کا حوالہ دے کر ان کی ترغیب دینا، ان کی دعوت دینا یا ان برائیوں پر آمادہ کرنا اللہ کی شان میں گستاخی، بدترین جرم، خبیث درجہ کا کفر اور اللہ کے احکام کے ساتھ کھلواڑ ہے، جیسے کوئی کہے کہ اللہ چاہتا ہے کہ تم کفر کرو، زنا کرو، چوری کرو، اس کی نافرمانی کرو، اس کے احکامات کو پامال کرو، ہم سب جانتے ہیں کہ جو ہوتا ہے اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے، لیکن اس طرح کی بات کرنا درحقیقت اللہ کا مذاق اڑانا ہے، اور اس کے خبیث کفر ہونے میں کوئی شک نہیں، اسی طرح اپنے کسی جرم کے لیے وجہ جواز کے طور پر اللہ کی مشیت کا حوالہ دینا بھی اللہ کی شان میں گستاخی ہے، جیسے کوئی شراب پیئے اور ٹھاٹ سے کہے کہ بھئی میرا کیا قصور ہے، اللہ نے چاہا کہ میں شراب پیوں اس لیے میں نے پی لی، کیا جرم کیا؟ اس طرح کی بات کو اللہ کی شان میں گستاخی اور کلمہ کفر قرار دیا جائے گا۔

اس طنز کے جواب میں طنزاً یہی کہا جائے گا کہ بھئی تمہارا کوئی قصور نہیں، تم خوب شراب پیو، بس اس عمل کے نتیجہ میں اللہ رب العزت اپنی مشیت سے تمہیں جہنم میں پھینک دے گا، وہاں اطمینان سے جلتے رہنا، اس پر اگر وہ اکڑ جائے اور نعوذ باللہ! اللہ کو ناانصاف کہنے لگے تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ بھئی مشیت کا حوالہ تو تمہارا پسندیدہ حوالہ ہے، آخر کیا بات ہے کہ ایک جگہ تم بڑے ٹھاٹ سے مشیت الٰہی کا حوالہ دے رہے تھے، جب کہ دوسری جگہ اسی مشیت الٰہی کا حوالہ طبع نازک پر بڑا گراں گزر رہا ہے، آخر کیا بات ہے کہ جناب کو ایک جگہ مشیت منظور، جہاں جناب کی نفسانی ذلیل خواہش پوری ہو رہی ہے اور دوسری جگہ نامنظور جہاں اسی نفسانی ذلیل خواہش کی تکمیل کرنے پر سزا بھگتنی پڑ رہی ہے، اس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ مشیت کا حوالہ تو بس ایک اکڑ ہے، اصل میں اپنے نفس کی کمینہ خواہشات کی غلامی مقصود ہے، ورنہ دونوں جگہ مشیت الٰہی کا حوالہ دے کر مطمئن ہونا چاہیے تھا، اگر ایسا نہیں تو پھر صاف صاف کہہ دینا چاہیے کہ میں مشیت الٰہی کا حوالہ بس یوں ہی دے رہا ہوں، اصل میں میں اپنے کمینہ نفس کا کمینہ غلام ہوں، یہ اخلاقی جرأت کی بات ہوگی۔

البتہ کوئی اپنے گناہ پر سرمشار ہو پھر بھی کوئی اسے اس گناہ پر طعنہ دے تو اس وقت مشیت الٰہی کا حوال دینا درست ہے، جیسے کوئی کہے کہ بھئی کیا کیا جائے، اللہ کی مشیت تھی کہ یہ قصور سرزد ہوا، اللہ معاف فرمائے، تمہیں طعنہ دینے کا کیا حق پہنچتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ انسان اس پر پورا ایمان رکھے کہ جو ہوتا ہے اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی ایمان وعمل رکھے کہ اللہ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے وہ ہم بجالائیں گے، اللہ نے ان باتوں کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کی ہمیں طاقت مرحمت فرمائی ہے اور اللہ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے ہم دور رہیں گے، اللہ نے ان سے بچنے کی بھی ہمیں قوت دی ہے، اللہ کی ہدایات پر ایمان رکھتے ہوئے جو عملی طور پر صاف ستھری زندگی بسر کرے گا، وہ اللہ کا قرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرے گا، یہ بھی اللہ کی مشیت کے تحت ہوگا، جب اللہ کی مشیت کے تحت صاف ستھری زندگی بسر کر کے اللہ کا قرب پانا انسان کے اختیار میں ہے تو پھر کیوں انسان اللہ کو ناراض کر کے اس کی مشیت کے تحت جہنمی بننے کی کوشش کرے؟ یہ تو بڑی حماقت ہوئی!

اعتکاف کے چند مسائل

اعتکاف کے لفظی معنی: لبث یعنی ٹھہرنے اور کسی چیز کو لازم پکڑنے کے ہیں اور چونکہ اعتکاف کرنے والا اللہ تبارک وتعالی کے تقرب کی نیت سے مسجد میں ٹھہر جاتا ہے، اور مسجد کا لزوم اختیار کرتا ہے لہٰذا اس عمل کو اعتکاف کہا جاتا ہے۔

اعتکاف کی قسمیں: اعتکاف کی شریعت میں تین قسمیں ہیں: اعتکاف واجب، اعتکاف سنت مؤکدہ اور اعتکاف نفل۔

اعتکاف واجب: یہ اعتکاف نذر کرنے سے واجب ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص کہے کہ میرے اوپر اتنے دن کا اعتکاف ہے، اس طرح کہہ دینے سے اتنے دنوں کا اعتکاف واجب ہو جائے گا، یا معلق کر کے اس طرح کہے کہ میں مقدمہ جیت گیا، یا بیماری سے شفا یاب ہو گیا تو اتنے دن کا اعتکاف کروں گا تو اگر اللہ کے فضل سے وہ کام ہو جائے تو متعینہ دنوں کا اعتکاف واجب ہوگا۔ (شامی: ۲/ ۴۱)

اس اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے، خواہ نذر کرتے وقت روزہ رکھنے کی نیت نہ کی ہو اس لیے کہ ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ "ولا اعتکاف الا بصوم" (روزہ کے بغیر اعتکاف نہیں ہوسکتا)، یہی وجہ ہے کہ اگر صرف رات کے اعتکاف کی نیت کرے تو صحیح نہیں ہوگا۔ (شامی ۲/ ۱۴۱) اس کے وجوب کی دلیل بخاری میں آنے والی آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی نذر مانے اسے اطاعت کرنا چاہئے''، اور بخاری ہی میں ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں نے نذر مانی ہے کہ مسجد میں ایک رات اعتکاف کروں'' تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اپنی نذر پوری کرو''۔

نفلی اعتکاف: جہاں تک نفلی اعتکاف کا تعلق ہے تو اس کے لیے روزہ شرط نہیں ہے، اور یہ کم وقت کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے، اور زیادہ وقت کے لیے بھی اور اس طرح بھی نیت کی جا سکتی ہے کہ مسجد میں رہنے تک اعتکاف کی نیت کرتا ہوں پھر مسجد سے نکلتے ہی اعتکاف ختم ہو جائے گا اور جب تک مسجد میں رہے گا اعتکاف کا ثواب ملتا رہے گا اگر نیت زیادہ وقت اعتکاف نفل کی کی تھی اور اس وقت کے پورا ہونے سے پہلے نکلنا چاہتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (شامی: ۲/ ۱۴۲، ہندیہ: ۱/ ۲۱۱)

اعتکاف سنت مؤکدہ: یہ اعتکاف آنحضرت ﷺ پابندی سے ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں کیا کرتے تھے، جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس سال آپ ﷺ نے ۲۰ دن کا اعتکاف کیا تھا چنانچہ بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے: "وکان یعتکف.... الحدیث" (ہر سال آنحضرت ﷺ دس دن کا اعتکاف کیا کرتے تھے اور جس سال آپ کا وصال ہوا اس سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف کیا)۔

رمضان کے اخیر عشرہ میں مردوں پر یہ اعتکاف ایسی مسجد میں کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے جس کے امام اور مؤذن ہوں خواہ اس میں پانچوں وقت کی نماز نہ ہوتی ہو۔ (شامی: ۲/ ۱۴۰)

سنت علی الکفایہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر بستی کے کسی ایک شخص نے بھی اعتکاف کر لیا تو پوری بستی والوں کی طرف سے کافی سمجھا جائے گا اور سنت کی ادائیگی ہو جائے گی اور کسی نے بھی نہ کیا تو سب تارک سنت ہوں گے۔ (شامی: ۲/ ۱۴۱)

اعتکاف کی شرطیں: واجب اور مسنون اعتکاف اسی وقت صحیح ہوگا جب مندرجہ ذیل شرطیں پوری ہو رہی ہوں:

۱- اعتکاف کی نیت ہونا بغیر نیت کے ٹھہرنے کو اعتکاف نہیں مانا جائے گا۔

۲- اعتکاف کا مسجد جماعت میں ہونا ویران مسجد میں اعتکاف معتبر نہیں ہوگا، البتہ عورت گھر میں اعتکاف کر سکتی ہے۔

۳- معتکف کا روزہ دار ہونا بغیر روزہ رکھے واجب اور مسنون اعتکاف معتبر نہیں ہوگا۔

۴- معتکف کا جنابت اور حیض ونفاس سے پاک ہونا۔

۵- معتکف کا عاقل ہونا لہٰذا پاگل کا اعتکاف معتبر نہیں ہوگا البتہ اس کی شرائط میں بلوغ نہیں ہے لہٰذا اگر سمجھدار بچہ اعتکاف

کرے تو معتبر ہوگا۔ (ہندیہ:۱/۲۱۱)

مسجد سے باہر نکلنا کب جائز ہے ؟

آنحضرت ﷺ حالت اعتکاف میں صرف بہت ضروری امور کے لیے مسجد سے باہر نکلا کرتے تھے، چنانچہ بخاری ومسلم کی ایک روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:"وکان لا یدخل البیت الا لحاجة الانسان" (آنحضرت ﷺ صرف انسانی ضروریات استنجاء وغیرہ کے لیے گھر میں داخل ہوتے تھے)

ابو داؤد کی ایک روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''معتکف کے لیے سنت یہ ہے کہ نہ کسی مریض کی عیادت کرے نہ جنازہ میں جائے، نہ بیوی کو شہوت سے چھوئے نہ اس سے جماع کرے اور صرف ایسی ضروریات ہی کے لیے نکلے جن کے بغیر چارہ کار نہیں ہے''۔

فقہاء نے ان احادیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل ضروریات اور اعذار کی بنیاد پر مسجد سے نکلنے کو جائز قرار دیا ہے اگر اس طرح کی ضرورت کے بغیر مسجد سے باہر نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا:

استنجاء کے لیے نکلنا: چھوٹے اور بڑے استنجاء کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے اس ضرورت کو گھر جا کر بھی پورا کرسکتا ہے، آتے جاتے سلام بھی کرسکتا ہے لیکن اگر ٹھہر کر بات کی تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ (ہندیہ:۱/۲۱۲، شامی:۲/۱۴۳)

کھانے کے لیے نکلنا: اگر کوئی کھانا لانے والا نہ ہو تو خود جا کر کھانا لاسکتا ہے اس لیے کہ لانے والا موجود نہ ہو تو یہ بھی حوائج ضروریہ میں داخل ہے۔ (طحطاوی علی المراقی:۳۸۴)

غسل واجب کے لیے نکلنا: اگر احتلام ہوگیا ہو تو غسل کے لیے باہر نکلنا جائز ہے، لیکن جمعہ کے دن غسل کرنے کے لیے اسی طرح گرمی کے موسم میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے مقصد سے غسل کرنے کے لیے نکلنے کو عام طور سے فقہاء کرام منع کرتے ہیں، لہٰذا اگر ان امور کے لیے غسل کرنا ہو تو مسجد کے کسی کنارے میں غسل کر لے جہاں پانی کی نکاسی ہوجاتی ہو اور غسل کے بعد اس پر پانی بہا دے یا کسی ٹب وغیرہ میں غسل کرلے۔ (شامی:۲/۱۴۳)

حالت اضطرار میں نکلنا: اگر مسجد منہدم ہونے لگے یا وہاں جان کا خطرہ ہو تو اس مسجد سے نکل کر دوسری مسجد میں جا سکتا ہے اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ (فتاوی ہندیہ:۱/۲۱۲)

جمعہ پڑھنے کے لیے جانا: اگر ایسی مسجد میں اعتکاف کیا جہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی ہے تو جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے جمعہ مسجد جاسکتا ہے، لیکن ایسے وقت میں نکلنا چاہئے کہ جمعہ مسجد میں پہنچنے کے بعد پہلے کی سنتیں پڑھ سکے اور بعد میں سنتیں پڑھ کر واپس آجائے وہاں دیر تک ٹھہرنا خلاف اولی ہے، لیکن اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ (شامی:۲/۱۴۴)

اگر مریض کی عیادت، جنازہ میں شرکت یا علاج ومعالجہ کی ضرورت کے لیے نکلے تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا، البتہ اگر استنجاء کے لیے نکلتے وقت یا گھر سے کھانا لاتے وقت مریض کی عیادت کرلی یا جنازہ کی نماز ہو رہی تھی اس میں شرکت کرلی اور دیر تک نہیں ٹھہرا بلکہ چلتے چلتے اس کو انجان دے لیا تو اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔

(البحر الرائق:۲/۳۰۲- ہندیہ:۱/۲۱۲)

علاج ومعالجہ کی ضرورت ہو تو معتکف کے لیے باہر نکلنا جائز ہے گناہ نہیں ہوگا لیکن اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ (ہندیہ:۱/۱۲۱)

بیڑی وغیرہ کا عادی شخص استنجاء وغیرہ کے لیے باہر نکلتے وقت ضرورت پوری کرسکتا ہے، خاص اسی کے لیے باہر نہیں نکلنا چاہئے لیکن اگر ایسا عادی ہے کہ اضطراری کیفیت ہوجاتی ہے تو اس کے لیے نکلنا انسانی حاجت میں ہوجائے گا، اور اس کے لیے نکلنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ (رحیمیہ:۵/۲۰۲)

جس طرح مرد کا اعتکاف مسجد سے نکلنے سے فاسد ہوجاتا ہے، اسی طرح عورت اگر اعتکاف کی مخصوص جگہ چھوڑ کر آنگن میں طبعی ضروریات کے بغیر نکل آئے تو اس کا اعتکاف بھی فاسد ہوجائے گا۔ (ہندیہ:۱/۲۱۲)

حالت اعتکاف میں اللہ جتنی توفیق دے عبادت میں مشغول رہے، جس میں تلاوت ذکر واذکار اور نوافل وغیرہ کا پڑھنا سب شامل ہے لوگوں سے بات چیت بھی کرسکتا ہے بلکہ عبادت سمجھ کر خاموش رہنا مکروہ ہے، لیکن فضول باتوں سے بچنا چاہئے ضروری باتیں موبائل پر بھی کرنا جائز ہے۔ (شامی:۲/۱۴۷، ہندیہ:۱/۲۱۳)

زکوٰۃ - چند ضروری احکام ومسائل

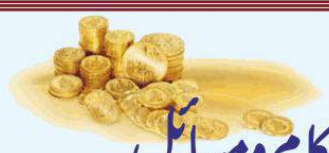

زکوۃ اسلام کا ایک اہم رکن ہے، قرآن پاک میں جگہ جگہ نماز کے ساتھ زکوۃ ادا کرنے کی بھی تاکید کی گئی ہے، ''آپ ﷺ نے اس کا شمار اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں فرمایا ہے۔''

صاحب نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو قرآن پاک میں جو سخت ترین وعید سنائی گئی ہے اس سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ..... فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾ (التوبة: ٣٤-٣٥)

''جولوگ اپنے پاس سونے چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے تو (اے نبی ﷺ آپ ان کو درد ناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجیے، یہ دردناک عذاب اس دن ہوگا جس دن اس سونے اور چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس کے ذریعہ ان کی پیشانی، ان کے پہلو اور ان کی پشت کو داغا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، تو آج تم اس خزانہ کا مزہ چکھو جو تم اپنے لیے جمع کر رہے تھے)۔

لہذا ہر صاحب نصاب مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ پورا پورا حساب کرکے زکوٰۃ کی ادائیگی کرے، بہت سے لوگ علی الحساب کچھ رقم یا دوسری چیزیں غریبوں کو دے کر اپنے کو بری الذمہ سمجھتے ہیں، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، پورا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔

صدقات سے مال بڑھتا ہے

زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے کا ایک بڑا بلکہ بنیادی سبب یہ خیال ہوتا ہے کہ اس سے مال کی ایک بڑی مقدار ہاتھ سے نکل جائے گی، اور اس کے عوض میں کوئی چیز بھی نہیں ملے گی، لیکن قرآن مجید میں اس خیال کی تردید کی گئی ہے اور اس کا پورا اطمینان دلایا گیا ہے کہ اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے سے گھٹتا نہیں ہے، بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾ (البقرة: ٢٧٦)

''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے''

وجوب زکوٰۃ کی شرائط

یہ بھی واضح رہے کہ زکوٰۃ نہ ہر شخص پر فرض ہوتی ہے نہ ہر مال پر، بلکہ اس کے وجوب کے لیے اس شخص کا عاقل بالغ ہونا، صاحبِ نصاب ہونا، مال پر سال گزرنا، اس مال کا دین یعنی قرض سے خالی ہونا، اسی طرح اس کا حاجتِ اصلیہ سے خالی ہونا شرط ہے، ایک بھی شرط نہ پائی جائے تو زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

اموال زکوٰۃ

جن چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، بنیادی طور پر وہ چار ہیں (۱) جانور، (۲) سونا، (۳) چاندی (روپئے بھی سونا چاندی ہی کے حکم میں شمار ہوتے ہیں)، (۴) مال تجارت۔

سونے چاندی کا نصاب

چاندی کا نصاب دوسو درہم جبکہ سونے کا نصاب بیس مثقال ہے، علماء ہند کی تحقیق کے مطابق چاندی کے دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ (۶۱۲ء۳۶۰ گرام) اور سونے کے ۲۰ مثقال یعنی ساڑھے سات تولہ (۸۷.۴۸۰ گرام) کے بقدر ہوتے ہیں، جہاں تک نقدی اور تجارتی سامان کا تعلق ہے تو ان کی ملکیت کا اندازہ بھی چاندی کے نصاب سے کیا جائے گا، یعنی اگر کسی کے پاس چاندی کے نصاب کے بقدر نقد رقم یا تجارتی سامان ہے تو وہ شرعاً صاحبِ نصاب ہے۔

پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ سونا چاندی چاہے استعمالی ہو یا غیر استعمالی، زیور کی شکل میں ہو، چاہے سکوں یا ظروف وغیرہ کی شکل میں اگر وہ نصاب کے بقدر ہے اور اس پر سال گزر جاتا ہے تو اس کی زکوٰۃ بہر حال واجب ہو جائے گی، یہی حکم نقد رقم کا بھی ہے، لیکن بقیہ دوسرے اموال یعنی عروض میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ تجارت کے غرض سے ہوں، ورنہ ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

حولان حول کا مطلب

فرضیت زکوٰۃ کی ایک شرط یہ بھی بتائی گئی کہ اس پر سال گزر جائے، ورنہ زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی، لیکن اس میں ایک ضروری بات یہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ اگر کسی کے پاس نصاب کے بقدر مال زکوٰۃ ہے تو اگر درمیان سال میں اس مال میں اضافہ ہوتا ہے تو اس مال زائد کا حساب پہلے سے موجود مال کی تاریخ سے کیا جائے گا، جب بقیہ مال پر سال گزر جائے تو اس کی زکوٰۃ کے ساتھ اس زائد مال کی بھی زکوٰۃ نکالنا ضروری ہوگا، یہ نہیں کہ ہر اضافی مال کے لیے الگ سے سال کا حساب کیا جائے، مزید یہ کہ سال گزرنے میں انگریزی مہینوں کے بجائے قمری مہینوں کا حساب کیا جائے گا۔

کس دن کی مالیت معتبر ہوگی

اموال تجارت کے بارے میں گذر چکا ہے کہ ان میں زکوٰۃ فرض ہے، مثلاً اگر کسی کی دکان ہے یا کوئی کاروبار ہے، تو سال گزرنے کے بعد اس کے پاس جو کچھ نقدی یا سامان ہے اس کی زکوٰۃ اس پر فرض ہے، اور سامان کی ملکیت لگاتے وقت ان کی اس دن کی مالیت کا اعتبار کیا جائے گا جس دن وہ ان کی زکوٰۃ ادا کر رہا ہے۔

حاجت اصلیہ کا مطلب

جو چیز اصلی ضرورتوں کے لیے ہو اس میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی، اصلی ضرورت کی مثال میں فقہاء نے رہنے کے مکان، پہننے کے کپڑے، سواری کے جانور اور گاڑی، زراعت یا فیکٹری کے آلات اور مشینری وغیرہ نیز گھر کے فرنیچر وغیرہ چاہے یہ اشیاء کئی ہوں اور ان کو کرایہ پر اٹھاتا ہو تب بھی ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کی مقدار

زکوٰۃ کی مقدار واجب کسی بھی مال میں اس کا چالیسواں حصہ یا ڈھائی فیصد مقرر کی گئی ہے۔

شیئرز پر زکوٰۃ

زکوٰۃ ہر طرح کے تجارتی سامان پر واجب ہے، خواہ وہ مویشیوں کی تجارت ہو یا گاڑیوں کی یا زمین کی، اور چونکہ شیئرز بھی سامان تجارت میں داخل ہیں لہٰذا ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہے، اگر کسی نے شیئرز اس مقصد سے خریدے ہیں کہ ان پر سالانہ منافع حاصل کرے گا ان کو فروخت نہیں کریگا تو اس کو اپنی کمپنی سے تحقیق کرنی چاہیے کہ اس کے کتنے اثاثے جامد ہیں یعنی بلڈنگ اور مشنری وغیرہ کی شکل میں اور کتنے اثاثے نقد خام اور تیار مال کی شکل میں ہیں، جتنے اثاثے جامد ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، اور جتنے اثاثے نقد یا خام اور تیار مال کی شکل میں ہوں ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر کمپنی کے اثاثوں کی تفصیلات نہ مل سکیں تو اس صورت میں احتیاطاً پوری قیمت کی زکوٰۃ ادا کر دیجائے۔

اور اگر شیئرز اس مقصد سے خریدے ہیں کہ جب بازار میں ان کی قیمت بڑھ جائے گی تو ان کو فروخت کر کے نفع کمائیں گے تو اس صورت میں پورے شیئرز کی پوری بازاری قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی، مثلاً آپ نے پچاس روپئے کے حساب سے شیئرز خریدے اور مقصد یہ تھا کہ جب ان کی قیمت بڑھ جائے گی تو ان کو فروخت کر کے نفع حاصل کریں گے اس کے بعد جس دن آپ نے زکوٰۃ کا حساب نکالا، اس دن شیئرز کی قیمت ساٹھ روپئے ہوگئی تو اب ساٹھ روپئے کے حساب سے ان شیئرز کی مالیت نکالی جائے گی اور اس پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

پراویڈینٹ فنڈ میں زکوٰۃ

زکوٰۃ فرض ہونے کی ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ اس پر انسان کا مکمل قبضہ بھی ہو، اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کو قرض دیا اور بعد میں قرضہ لینے والا اس سے انکار کر رہا ہے، بظاہر اس کا واپس ملنا دشوار ہے یا کسی جگہ گاڑ کر بھول گیا، یا کسی دریا وغیرہ میں گر گیا تو ان روپیوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، پھر جب غیر متوقع طور پر یہ مال مل جائے تو گذرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ اس پر واجب نہیں ہوگی، یہ رقم جس وقت ملی ہے اس وقت سے اس کا حساب لگایا جائے گا۔ (ہدایہ: ۱/ ۱۸۷)

جہاں تک پراویڈنٹ فنڈ کا تعلق ہے تو اس میں ایک حصہ وہ ہوتا ہے جو حکومت اس میں ملا کر دیتی ہے، جہاں تک اس دوسری اضافی رقم کا تعلق ہے تو خواہ اس کو انعام کہا جائے یا اجرت ملازم اس کا ابھی مالک نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اس پر گذرے ہوئے دنوں کی زکوٰۃ واجب ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، قابل بحث صرف فنڈ کا وہ حصہ ہے جو ملازمت کے درمیان تنخواہ سے کٹ کر جمع ہوتا ہے، اس کا معاملہ بھی یہ ہے کہ ملازمین کو اگرچہ اس پر ملکیت حاصل ہوتی ہے، لیکن اس پر

قبضہ حاصل نہیں ہے لہٰذا اس رقم پر بھی گذرے ہوئے دنوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، علماء محققین کا رجحان اسی طرف ہے۔

قرض کا ادا کرنا

اگر کوئی شخص مالکِ نصاب ہے، لیکن ساتھ ہی وہ مقروض بھی ہے تو قرض کے بقدر مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اگر قرض کے بقدر منہا کرنے کے بعد بھی نصاب کے بقدر مال باقی بچ رہا ہے تو اس پر اسی کے بقدر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔

سونے اور چاندی کو ضم کرنا

اگر کسی کے پاس ساڑھے سات تولہ (۶۱۲/۴۸۰ گرام) سونا نہ ہو، لیکن اس کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی موجود ہو تو کیا اس کے اوپر زکوۃ واجب ہوجائے گی؟ اس مسئلہ میں دو آراء ہیں:

۱- امام شافعیؒ اور بعض دوسرے حضرات کے نزدیک اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اپنی معرکہ الآراء تصنیف ''الأم'' میں اس پر امام شافعیؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس کے پاس نہ سونے کا نصاب ہے نہ چاندی کا تو اس پر زکوۃ کیسے واجب ہوسکتی ہے جبکہ دونوں الگ الگ جنس ہیں۔

۲- دوسری رائے احناف اور بعض دوسرے حضرات کی ہے کہ اگر دونوں کے ملانے سے نصاب پورا ہوجائے تو زکوۃ واجب ہو جائے گی، اس پر استدلال بکیر ابن عبداللہ الاشج کے اثر سے ہے کہ زکوۃ نکالنے میں صحابہ کا طریقہ چاندی اور سونے کے ملانے کا تھا، پھر دونوں باعتبار ثمنیت ایک ہی جنس ہیں۔

بہر حال عقلی دلائل دونوں طرف سے مضبوط ہیں لیکن نقلی دلیل میں اس اعتبار سے فریقِ اول کا موقف کچھ مضبوط قرار دیا جاتا ہے کہ حضرت بکیر کی روایت حدیث کی کتاب میں نہیں ملتی ہے، پھر امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ سونے اور چاندی کو ملانے کی کیفیت کیا ہوگی؟

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں کو قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا یعنی اگر کسی کے پاس دو تولہ سونا اور دو تولہ چاندی ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ دو تولہ سونا اگر بیچ دیا جائے تو کیا ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ چاندی حاصل ہوجائے گی، اگر اتنی مقدار میں چاندی حاصل ہوسکتی ہو تو وہ صاحب نصاب مانا جائے گا، فتوی امام صاحبؒ کے قول ہی پر ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک دونوں کو اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائے گا، یعنی وزن کے اعتبار سے اگر آدھا نصاب سونے کا آدھا چاندی کا، یا دو تہائی سونے کا اور ایک تہائی چاندی کا یا ایک چوتھائی سونے کا اور تین چوتھائی چاندی کا پایا جارہا ہو تو زکوۃ واجب ہوجائے گی ورنہ نہیں۔

امام صاحب کے مفتی بہ قول کے مطابق اگر سونے چاندی کی معمولی مقدار بھی کسی کے پاس ہو تو وہ صاحب نصاب بن جائے گا، اور اس کے لیے زکوۃ لینا جائز نہیں رہے گا، حالانکہ اتنی معمولی مقدار بالکل معمولی لوگوں کے پاس بھی عام طور سے رہتی ہے، اس تناظر میں یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ کیا موجودہ حالات میں صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟ اس لیے کہ صاحبین کا قول اختیار کرلیا جائے تو اس میں زکوۃ دینے والے اور لینے والے دونوں کا خیال ہو جائے گا اور توازن قائم رہے گا۔

راقم کے خیال میں ایسا کرنے کی گنجائش ہے، اس لیے کہ اس مسئلہ کا تعلق حالات کے بدلنے سے ہے، اور یہ بات متفقہ ہے کہ حالات بدل جائیں تو حکم بدل جاتا ہے، پھر یہ تو افتاء کے اصول میں بھی لکھا ہوا ہے کہ اختلاف اگر صاحبین اور امام صاحب کے درمیان ہو تو مجتہد مفتی ان میں سے کسی پر بھی فتوی دے سکتا ہے (لہٰذا اجتماعی اجتہاد کے اس دور میں علماء کا اتفاق ہوجائے تو اس کی گنجائش ہوگی) پھر امام صاحب کی ایک روایت صاحبین کے قول کے مطابق بھی ہے، لہٰذا امام صاحب کے اس قول کو استحباب پر محمول کرکے تطبیق دی جاسکتی ہے، چنانچہ مفتی کفایت اللہ صاحب نے کفایت المفتی میں اسی طرح تطبیق دی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ سامان تجارت والے مسئلہ میں مفتی بہ حکم سے ہٹنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، جبکہ دوسرے مسئلہ میں اگر علماء اتفاق کرلیں تو اس کی گنجائش ہے۔

زکوٰۃ کے مستحقین

زکوٰۃ کی حیثیت چونکہ محض عام انفاق اور انسانی مدد کی نہیں ہے بلکہ یہ ایک اہم اسلامی عبادت اور شرعی فریضہ ہے، اس لیے شریعت نے اس کے مصارف اور مدات خرچ خود متعین کردئے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ.﴾ (التوبہ: ٦٠)

''زکوٰۃ فقراء، مساکین، عاملین (زکوٰۃ کی جمع وتقسیم کے کارکنان) مولفۃ القلوب، غلام، مقروض، اللہ کیراستہ میں (جہاد کرنے والے) اور مسافروں کے لیے، یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے اور اللہ بڑا علم والا اور بڑی حکمت والا ہے''۔

زکوٰۃ کے مصارف قرآن مجید کی اوپر ذکر کردہ آیت میں تفصیل سے بیان کی گئے ہیں، اس کے متعلق خلاصہ کلام یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف انھیں لوگوں کو دی جاسکتی ہے جو فقیر یا مسکین ہوں یعنی جن کے پاس یا تو مال ہی نہ ہو یا اگر ہو تو نصاب تک نہ پہنچتا ہو، یہاں تک کہ اگر ان کی ملکیت میں ضرورت سے زائد ایسا سامان موجود ہے جو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تک پہنچ جاتا ہے تو وہ مستحق زکوٰۃ نہیں ہے، مستحق زکوٰۃ وہ ہے جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی کی ملکیت کی رقم یا اتنی مالیت کا کوئی سامان ضرورت سے زائد نہ ہو، اس میں بھی شریعت کا حکم یہ ہے کہ مستحق کو مالک بنادیا جائے، وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے، اسی لیے بلڈنگ کی تعمیر میں زکوٰۃ نہیں لگ سکتی، نہ ہی کسی ادارے کے ملازمین کی تنخواہ میں لگ سکتی ہے، اسی طرح تجہیز وتکفین کی ضروریات میں بھی زکوٰۃ کی رقم لگانا درست نہیں ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے والے کو چاہیے کہ اچھی طرح تحقیق کرکے صحیح مصرف میں لگانے کی کوشش کرے، افضل یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے عزیز واقارب اور پڑوسی میں مستحقین کی تلاش کرے، رشتہ داروں میں زکوٰۃ ادا کرنے سے ڈبل ثواب ملتا ہے، ایک تو زکوٰۃ ادا کرنے کا دوسرے صلہ رحمی کرنے کا، البتہ دو رشتے ایسے ہیں جن میں زکوٰۃ کی ادائیگی کرنا درست نہیں ہے، ایک ولادت کا رشتہ ہے جس کے تحت تمام اصول وفروع آتے ہیں، چنانچہ اپنے باپ، دادا، نانا، نانی، دادی اور ان سے اوپر والوں کو زکوٰۃ ادا کرنا درست نہیں ہے، اسی طرح بیٹے، پوتے، بیٹی، پوتی، نواسہ، نواسی اور ان سے نیچے والوں پر زکوٰۃ ادا کرنا درست نہیں ہے، دوسرا نکاح کا رشتہ ہے چنانچہ شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ ادا نہیں کرسکتی، ان دو رشتوں کے علاوہ تمام رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، جیسے: بھائی، بہن، چچا، پھوپھی اور خالہ وغیرہ، لیکن شرط یہ ہے کہ جس کو زکوٰۃ دی جارہی ہے وہ زکوٰۃ کا مستحق ہو، یہ بھی خیال رہے کہ اپنے اقارب کو اگر یہ بتا کر زکوٰۃ دی جائے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ عار محسوس کریں، اسی لیے شریعت نے یہ سہولت دی ہے کہ زکوٰۃ دیتے وقت اس کا زکوٰۃ ظاہر کرنا ضروری نہیں ہے۔

مستحق ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ضروری شرط یہ کہ مستحق مسلمان ہو چنانچہ غیر مسلم مستحق کو زکوٰۃ کی رقم دینا درست نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''زکوٰۃ مسلمان مالداروں سے لی جائے گی اور نادار مسلمانوں پر صرف کی جائے گی''۔ (بخاری: ۱۴۹۶)

☆ مدارس میں زکوٰۃ خرچ کرنے میں زیادہ ثواب ملے گا، ایک زکوٰۃ کا دوسرے علم کی اشاعت اور تحفظ دین کا۔ (ہندیہ: ۱/۱۸۷)

☆ اسی طرح قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے میں دہرا ثواب ہے، ایک زکوٰۃ کا دوسرے صلہ رحمی اور قرابت داری کا۔ مثلاً بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں، بھانجے وغیرہ کو زکوٰۃ دینا شرعاً درست ہے بلکہ افضل ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''مسکین کو دینے میں ایک صدقہ کا ثواب ہے اور رشتہ داروں کو دینے میں دو صدقہ کا ثواب ہے، ایک صدقہ کا دوسرے صلہ رحمی کا۔''

☆ رمضان المبارک میں چونکہ ہر عبادت کا ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے، اس لیے رمضان میں زکوٰۃ دینے میں انشاء اللہ ستر گنا ثواب ملنے کی امید ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ساری زکوٰۃ رمضان ہی میں نکال دی جائے اور غیر رمضان میں فقراء کی ضرورتوں کا خیال نہ رکھا جائے، بلکہ حسب ضرورت ومصلحت خرچ کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ (بیہقی فی شعب الایمان: ۳/۳۰۵)

☆ ایک فقیر کو بیک وقت اتنا دینا کہ وہ مالک نصاب ہوجائے بہتر نہیں ہے، البتہ اگر وہ مقروض ہو اور قرض کی ادائیگی کے لیے اس کو بڑی رقم دی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (ہندیہ: ۱/۱۸۸)

☆ مقروض شخص کو قرض سے بری کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، البتہ اگر فقیر نے مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دی پھر اس سے اپنا قرض وصول کرلیا تو یہ درست ہے۔ (طحطاوی: ۳۹۰)

Socialism
اشتراکیت

سید محمد مکی حسنی ندوی

Socialism: Aset of political and economic theories based on the belief that everyone has an equal right to a share of a country's wealth and that the government should own and control the main industries (Oxford Dictionary)

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق اشتراکیت، سیاسی اور مالی نظریات کا مجموعہ ہے اس یقین کے ساتھ کہ ہر شخص کا ملک کی دولت میں مساوی حق ہے اور حکومت اہم صنعتوں کو اپنے قبضے میں رکھنے کی ذمہ دار ہے۔

اشتراکیت ایک ایسا نظام معیشت ہے جس میں وسائل کی پیداوار (Production)، اس کی تقسیم (Distribution) اور وسائل کے تبادلے (Exchange of Resources) کے مختلف عناصر میں معاشرہ کا ہر فرد برابر کا شریک ہوتا ہے۔ ملکیت کی ایسی شکل جمہوری نظام حکومت کے ذریعہ ممکن ہوتی ہے۔

اشتراکی نظام میں ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق خدمات انجام دیتا ہے اور اپنا حصہ وصول کرتا ہے۔ اس وجہ سے اشتراکی معاشرہ کے افراد محنت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہیں۔

واضح رہے کہ اشتراکی نظام میں معاشرہ کا حق قومی ترقیات کے بعد آتا ہے، یعنی وہ کام جو قومی ترقی کے لیے ضروری ہیں جیسے نقل و حمل، تعلیم، دفاع وغیرہ، ان کا حصہ پہلے نکال لیا جاتا ہے، پھر تقسیم کا عمل انجام دیا جاتا ہے۔

اشتراکیت کی ابتدا 1789ء کے انقلاب فرانس اور اس سے ہونے والی تبدیلیوں سے ہوئی ہے۔ اس کے بعد اس کا تذکرہ سب سے پہلے 1827 میں Co-Operative Magazine اور پھر 1832 میں Le Globe Magazine میں دیکھا گیا، اس وقت اس کا مطلب ''ایک متوقع سماجی سیاسی متبادل نظام'' تھا۔ کارل مارکس (Karl Marx) نے اپنے منشور میں کچھ مختصر تفصیل کے ساتھ 1847 میں اس کو شامل کیا تھا، یہ 1848 کے انقلاب سے ٹھیک پہلے کا وقت تھا جس نے پورے یورپ میں اشتراکیت کو متعارف کرایا۔

انیسویں صدی کے آخر میں یورپ میں ایسی جماعتیں وجود میں آئیں جو جمہوری اشتراکیت کی علم بردار ہوئیں۔ 1899 میں Australian Labor party دنیا کی پہلی منتخب کردہ حکمراں پارٹی تھی جس نے گرچہ محض ایک ہی ہفتہ حکومت کی لیکن اس کے ذریعہ اشتراکیت کی جڑیں گہری اور مضبوط ہوئیں۔

1917 میں انقلاب روس کے بعد لینن (Lenin) کی حکومت قائم ہوئی، اور پہلی بار اشتراکی نظام اپنی مکمل خصوصیات کے ساتھ پرزور انداز میں نافذ کیا گیا، لیکن محض چار سال میں اس نظام کا یہ حال ہوا کہ لینن کو ایک نئی مالیاتی پالیسی نافذ کرنی پڑی۔

اشتراکیت کے تعارف اور فروغ کے لیے کمیونسٹ پارٹیوں نے روس کی سرپرستی میں بیسویں صدی کے وسط میں ایک عالمی تنظیم قائم کی جو Communist International (Comintern) کے نام سے متعارف ہوئی، اس تنظیم کی وجہ سے تقریباً ہر ملک میں ایک اشتراکی پارٹی کا قیام ہوا جس کے نتیجہ میں اس ملک میں آج اشتراکیت اپنی ناکامی کے بعد بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔

اشتراکیت درج ذیل بنیادی اصولوں پر قائم ہے:

۱- اجتماعی ملکیت: (Collective Property) یعنی ملک کی پیداوار اور تقسیم کے تمام ذرائع پر عوامی ملکیت ہوتی ہے، البتہ تمام وسائل پر قابو (Control) اور تحدید (Regulate) حکومت کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اس نظام میں حکومت کا مقصد منفعت کے بجائے مقاصد کی تکمیل ہوتا ہے جس میں خوراک، رہائش، لباس، صحت، تعلیم اور روزگار جیسی بنیادی انسانی ضرورتیں شامل ہیں۔

(۲) اجتماعی مفاد:(Collective interest)یعنی اشتراکی نظام میں منصوبہ بندی کے تحت اجتماعی مفاد کو بنیادی طور پر مدنظر رکھا جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشی نظام میں مختلف معیار زندگی ہوتے ہیں، جیسے اعلیٰ، متوسط اور نچلا طبقہ، سرمایہ دارانہ معاشرے کی ساخت کا تعین اراکین کی مالی اور اقتصادی حیثیت سے ہوتا ہے، تاہم ایک حقیقی اشتراکی معاشرے میں جہاں تک معاشی حیثیت کا تعلق ہے تو سب برابر ہیں اور معاشرہ کے ہر فرد کی لیاقت، صلاحیت اور قابلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یکساں مواقع کی فراہمی کی ضمانت ہے۔

(۳) منصوبہ بندی: (Planning)یعنی تمام بنیادی معاشی ضروریات کا جائزہ اور تمام معاشی وسائل کی فراہمی کے بعد یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ کیا کیا چیزیں اور کتنی مقدار میں پیدا کی جائیں؟ وسائل کو کس طرح استعمال کیا جائے اور محنت کرنے والوں کی کیا اجرت مقرر کی جائے؟ اس منصوبہ بندی سے اقتصادی ترقی کا امکان بڑھ جاتا ہے اور اس کے ذریعہ معاشرہ کی بھی ترقی ہوتی ہے۔

(۴) منصفانہ تقسیم(Equitable Distribution) چوتھا اصول آمدنیوں میں توازن کا ہے یعنی پیداوار سے جو آمدنی حاصل ہو وہ افراد کے درمیان منصفانہ طور پر تقسیم ہو، امیر وغریب کے درمیان زیادہ تفاوت نہ ہو۔

اشتراکیت نے شروع میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ آمدنی میں مساوات ہوگی یعنی سب کی آمدنی برابر ہوگی لیکن اس پر کبھی بھی عمل درآمد نہیں ہوسکا، لوگوں کی اجرتیں اور تنخواہیں کم اور زیادہ ہوتی رہیں۔ البتہ اشتراکیت میں کم از کم یہ دعویٰ ضرور کیا گیا ہے کہ اس نظام میں اجرتوں کے درمیان تفاوت بہت زیادہ نہیں ہے۔

قیمتوں کا تعین(Rate Fixing): قیمتوں کی تعین کرنے کا عمل آزادانہ طور پر نہیں ہوتا بلکہ مرکزی منصوبہ بندی اتھارٹی (Central Planning Authority) کے کنٹرول اور ضابطے کے تحت کام کرتا ہے۔ اشتراکی معیشت میں قیمت کو بہت اہمیت حاصل ہے، اگر قیمت کو آزادانہ طور پر چھوڑ دیا جائے تو قیمت پر اجارہ داری ہوتی ہے جیسا کہ طلب و رسد کے قانون (Law of Supply & Demand) میں ہوتا ہے کہ جب بازار میں سامان زیادہ ہوتا ہے تو قیمت کو گھٹا دیا جاتا ہے اور جب سامان میں کمی ہوتی ہے تو قیمت بڑھا دی جاتی ہے۔

اس معاشی نظام میں دو قسم کی قیمتیں رائج ہیں، ایک مارکیٹ کی قیمت اور دوسری حسابی قیمت۔ مارکیٹ کی قیمتیں اشیائے خورد ونوش (Consumer Goods) کے لیے ہوتی ہیں، اور حسابی قیمتیں (Accounting Prices) کمپنی کے منتظم کار کے لیے ہوتی ہیں، جس سے وہ پیداوار، سرمایہ کاری اور پیداوار کے طریقۂ کار کو آگے بڑھانے میں غور وخوض کر کے فیصلہ کرتا ہے۔

اشتراکی نظام کی دو بڑی بنیادی خرابیاں ہیں:

۱-اس نظام میں انسان منصوبہ بند انداز میں زندگی گزارنے پر مجبور ہے، اس منصوبہ بندی میں انسان کی اپنی آزادی کلی طور پر ختم ہو جاتی ہے، اب اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں سرمایہ دارانہ نظام میں ایک انسان چھوٹے پیمانے پر کمپنی قائم کر کے کچھ لوگوں کا استحصال کرے گا، اشتراکی نظام میں کچھ لوگ پورے ملک پر قابض ہو کر پورے ملک کا استحصال کریں گے۔

۲-اشتراکی نظام کا دوسرا نقصان، ذاتی منافع کے محرک کو بالکل ختم کر دیا جاتا ہے، یعنی جو کام کرنے والے لوگ ہیں وہ بجائے چستی اور محنت کے سستی اور کاہلی سے کریں، دونوں صورتوں میں ان کو معاوضہ تو یکساں ملے گا، نتیجتاً بہتر کارکردگی کا جذبہ ختم ہوتا جاتا ہے۔

جہاں سرمایہ دانہ نظام نے انسان کو مکمل آزادی دی ہے تو وہیں اشتراکی نظام نے انسانی جذبے کو کچل کر رکھ دیا کہ اس کی فطری آزادی بھی ختم ہوگئی۔ اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام نے رسد اور طلب کے قوانین کے ذریعہ اجارہ داری کی تو اشتراکی نظام نے قدرتی قوانین کا انکار کر دیا اور اس کی جگہ پر حکومت کے ذریعہ تیار کردہ منصوبہ بندی کو ہر مرض کا علاج سمجھا۔

مولانا علی میاں ندویؒ کی فقہی بصیرت

محمد ارمغان بدایونی ندوی

''حضرت مولانا علی میاں ندویؒ واقعۃً فقیہ زماں تھے۔''
(حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ)

حضرت مولاناؒ نے ۱۹۲۸ء میں علامہ شبلی فقیہ جیراج پوریؒ سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں فقہ کی بنیادی تعلیم حاصل کی، گرچہ انہیں اس موضوع سے طبعاً دلچسپی نہ تھی، لیکن انہوں نے جس انداز سے فقہ وحدیث کا تقابلی مطالعہ کیا تھا، اس نے ان کی شخصیت میں غیر معمولی توازن واعتدال پیدا کردیا تھا، انہوں نے اجتہاد وتقلید کے درمیان ایک ایسا متوازن اور معتدل مسلک اختیار کیا تھا جو نقطۂ اعتدال کی منھ بولتی تصویر تھا، واقعہ یہ ہے کہ بیسویں صدی میں حضرت مولاناؒ کی شخصیت، فکر ولی اللہی کی حقیقی شارح وترجمان تھی، جنہوں نے اپنی کاوشوں سے کم از کم برصغیر میں حدیث وفقہ کے درمیان مطابقت پیدا کرنے نیز لفظیت اور عقلیت کو قربت دینے کا کارنامہ انجام دیا۔

حضرت مولاناؒ ہمیشہ دین وملت کی بنیادی قدروں اور مسلمہ اصول کا لحاظ رکھتے تھے، اسی لیے حضرت مولاناؒ کے طریقہ کار میں فقہی مسلک کا اختلاف یا مکتب فکر کا فرق کبھی دوری اور ٹکراؤ کا سبب نہیں بنا، بلکہ انہوں نے ہمیشہ ملت کی بقا کے لیے اپنی متعین رائے اور انفرادی مصلحتوں کو نظر انداز کیا، بلاشبہ ان کی تحریریں اور تقریریں اس بات کی شاہد ہیں کہ وہ ملی تشخص اور تحفظ شریعت کے مسئلہ میں حد درجہ حساس تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو متوازن طرز فکر اور غیر معمولی فہم وفراست عطا کی تھی، اس سے ان کی وسعت علمی اور دقت نظر کے ساتھ فقہی بصیرت صاف طور پر نمایاں ہوتی ہے۔

فقہ کے لیے قرآن مجید میں ''تفقہ فی الدین'' کا لفظ آیا ہے، حضرت مولاناؒ نے اپنی زبان میں اس لفظ کی جو تشریح کی ہے، اس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تشریح ان کی حیات کے تابندہ نقوش پر سو فیصد صادق آتی ہے، تشریح ملاحظہ ہو:

''تفقہ کے معنی: دین میں گہری سمجھ حاصل کرنا، دین کے ذخیرہ پر عمیقانہ نظر رکھنا، زمانہ کی ضرورت کو سمجھنا اور بدلتے ہوئے زمانہ اور دائمی دین کے درمیان رشتہ پیدا کرسکنا۔'' (قرآنی افادات: ۱/۲۰۵)

حضرت مولاناؒ فقہ وافتاء کے معاملہ میں نہایت حساس اور محتاط تھے، انہوں نے کبھی بھی فقہی مسائل وجزئیات پر مشتمل خطوط کے جواب از خود تحریر نہیں فرمائے، بلکہ اس موضوع سے مناسبت رکھنے والوں کے سپرد کیے، ان کا خیال تھا کہ فتویٰ دینے میں ہر مفتی کو بیدار مغزی اور انتہائی حزم واحتیاط کے ساتھ جواب تحریر کرنا چاہیے:

''کچھ لوگ اپنی رائے کے اظہار میں بڑی عجلت سے کام لیتے ہیں، پھر فوراً ہی اس سے رجوع بھی کرلیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کررہے ہیں، لیکن پھر ان لوگوں کا کیا ہوگا جو ان کے فتووں کی اتباع کرکے اور غلطی پر عمل کرکے اس دنیا سے چل بسے؟ اور مسئلہ اس وقت زیادہ سنگین ہوجاتا ہے جب ان آراء کا تعلق دین اور عقیدے سے ہو۔'' (اجتماعی اجتہاد: ۳۲)

حضرت مولاناؒ فقہ واصول فقہ کی تدوین کو مسلمانوں کی بنیادی ضرورت تصور کرتے تھے انہوں نے ایک موقع پر صراحۃً فرمایا:

''عرب اور عجم کے اختلاط اور اسلام پر عمل کرنے والوں کے لیے تمام عربی علوم کی تدوین کی نسبت فقہ کی تدوین زیادہ ضروری تھی کیونکہ فقہ ہر مسلمان کی زندگی کا احاطہ کرتی ہے، عبادت اور عقیدہ سے اس کا مضبوط رشتہ ہے، اخروی زندگی اور اس پر مرتب ہونے والے ثواب وعذاب، سعادت اور بدبختی نیز بخشش اور ہلاکت پر فقہ کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔'' (اجتہاد اور فقہی مذاہب: ۱۳)

حضرت مولاناؒ نے فقہ اور اصول فقہ کی تدوین کے کارنامہ کو ہر موقع پر سراہا اور اس کے لیے بلند کلمات ارشاد فرمائے، تاہم وہ علمی وفقہی محفلوں میں یہ بات بھی بڑی قوت سے اٹھاتے تھے کہ موجودہ دور کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر فقہ جدید کی تدوین ایک ناگزیر امر ہے، شرعی علوم کے ماہرین کو اس میدان میں اساسی کردار ادا کرنا چاہیے اور اصول فقہ کے قیمتی سرمایہ سے احکام ومسائل استنباط کرکے

پوری انسانیت کے سامنے پیش کرنا چاہیے، جس کا فائدہ نہ صرف یہ ہوگا کہ امت مسلمہ کے تمام معاملات شریعت کے مطابق ہوں گے، بلکہ وہیں دنیائے انسانیت بھی اسلام کی حقانیت اور اس کی آفاقیت کے سامنے سر تسلیم خم کردے گی، وہ فرماتے تھے:

''یقیناً تہذیب' صنعت اور تجارت اس حد تک ترقی کر چکی ہیں کہ اندازہ کرنا مشکل ہے، نئے اسلوب پیدا ہو چکے ہیں، معاہدات اور تجارتی امور ایسے فقہی حکم کا مطالبہ کر رہے ہیں، جن کی بنیاد اسلامی شریعت کی روشنی میں اسلامی اصولوں اور اصول فقہ پر قائم ہو۔''

(اجتہاد اور فقہی مذاہب:۲۰)

حضرت مولاناؒ کی جامع ومتوازن فکر کا خاصا تھا کہ وہ اس تجدیدی وتحقیقی اور اجتہادی کام کے پرزور داعی ضرور تھے، تاہم وہ ہمیشہ اجماع امت کے خلاف نہ جانے کی تاکید بھی کرتے تھے، اسی لیے ان کا کہنا تھا کہ ایسے عظیم علمی کارنامہ کے لیے انفرادی اجتہاد سے بہتر ہے کہ یہ کام جماعتی اور اداروں کی سطح پر ہو، وہ کہتے ہیں:

''بہتر تو یہ ہے کہ انفرادی طور پر اجتہاد کے بجائے اجتماعی طور پر اجتہاد کیا جائے، وہ اس طرح کہ شریعت کے ماہرین کی ایک اکیڈمی ہو، جس میں کسی مسئلہ پر طویل غور وفکر، بحث ومباحثہ اور تبادلہ آراء اور قرآن وسنت اور فقہ واصول فقہ کے پورے ذخیرے کے بھر پور جائزے کے بعد فیصلہ کیا جائے، تاکہ اس میں کسی سازش یا کسی سیاسی قوت یا استبدادی حکومت کا عکس نہ پڑنے پائے۔''

(اجتماعی اجتہاد:۲۱-۲۲)

۱۹۶۳ء میں انہی بلند مقاصد کی تکمیل کے لیے حضرت مولاناؒ نے ندوۃ العلماء میں ''مجلس تحقیقات شرعیہ'' قائم کی جس میں برصغیر کے مایہ ناز علماء وفضلاء اور ماہرین فقہ وافتاء کی ایک جماعت کو یکجا کیا گیا، تاکہ وہ باہمی غور وفکر کے بعد جدید مسائل کے مفید نتائج برآمد کرے اور فقہ کی تدوین جدید کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دے، اس سلسلہ میں حضرت مولاناؒ کا یہ تاریخی جملہ ملاحظہ ہو:

''یہ فقہ کی تدوین جدید کا اہم کام ہے جس کو بلا تاخیر ہونا چاہیے۔''

(تعمیر حیات، صفحہ ۱۰۔ جلد اول، شمارہ:۲۔۲۵/ نومبر ۱۹۶۳ء)

الحمدللہ اس مجلس نے اصحاب نظر وارباب فتویٰ کے مشورہ سے بحث وتحقیق کا باقاعدہ ایک منہج طے کیا اور کئی جدید مسائل کو موضوع بحث بنایا اور ان مسائل کا انتہائی معتدل ومتوازن حل پیش کیا، مثلاً: انشورنس کا مسئلہ، جدید آلات کی مدد سے رؤیت ہلال کا مسئلہ، نس بندی کا مسئلہ اور سرکاری قرضوں کا مسئلہ۔

(ملاحظہ ہو: ابنائے ندوہ کی فقہی خدمات:۱۷۱-۱۷۹)

اس میں شبہ نہیں کہ دور جدید کے تقاضوں کے پیش نظر حضرت مولاناؒ فقہ اور اصول فقہ کے حدود میں رہتے ہوئے اجتہاد کے پرزور داعی تھے، وہ خود اپنے وسعت مطالعہ اور ذہن رسا کی بنیاد پر فروعات میں توسع سے کام لیتے تھے، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ وہ ائمہ مجتہدین کی تقلید کے قائل اور داعی تھے، ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

''اگر ہم مجتہدین میں سے کسی ایک کی تقلید کرتے ہیں تو یہ اس یقین کے ساتھ ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کا عالم ہے، اس کا قول یا تو کتاب وسنت کی صریح نص سے ثابت ہوگا یا ان سے مروجہ طریقہ سے استنباط کیا گیا ہوگا، یا قرائن سے جانا گیا ہوگا کہ ہماری مطلوبہ مشکل کا حل اس طرح سے ہے۔ اور یہ بھی نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب ہوگا، اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمان کسی مجتہد کی تقلید کیوں کرتے؟''

(اجتہاد اور فقہی مذاہب:۱۸)

حضرت مولاناؒ ہی ہندوستان کی تنہا وہ عبقری شخصیت ہیں جو ۱۹۶۲ء میں رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ کی ''فقہ اکیڈمی'' کے ممبر بنے اور ۱۹۸۲ء میں ہندوستانی مسلمانوں کے متفقہ پلیٹ فارم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر منتخب ہوئے، اسی طرح ۱۹۸۹ء سے آخر وقت تک آل انڈیا فقہ اکیڈمی کی سرپرستی بھی فرمائی، جس میں فقہ کے موضوع پر آپ نے متعدد کلیدی خطابات پیش کیے۔

حضرت مولاناؒ کا جذبہ احتساب اِن عظیم مناصب کو ہمیشہ وقار بخشتا رہا، لہٰذا ان کے سامنے جب بھی تحفظ شریعت کا کوئی ایسا معاملہ پیش آجاتا جو قوموں کے درمیان ان کی امتیازی حیثیت کو باور کراتا ہو، تو وہ ایسے موقع پر اپنی وسعت ظرفی کے باوجود تصلب سے کام

لیتے اور ایک انچ بھی اپنے موقف سے پیچھے ہٹنا گوارہ نہ فرماتے۔

۱۹۸۶ء میں جب ''مسلم خواتین مطلقہ بل'' کا مسئلہ کھڑا ہوا تو حضرت مولاناؒ نے پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ قانونی دائرہ میں رہتے ہوئے اپنی بات کہی اور اس سلسلہ میں انہوں نے کسی اسلامی ملک یا کسی دوسرے فقہی مسلک کی رائے پر رضامندی گوارا نہ کی، بلکہ وہ مصر رہے کہ یہ بل فقہ حنفی کے مطابق ہی پاس کیا جائے گا، جس وقت بل پاس ہونے کی کشمکش جاری تھی، تب حضرت مولاناؒ کو علم ہوا کہ راجیو گاندھی جی بعض اُن اسلامی ممالک کے متعلق پتہ لگا رہے ہیں جہاں یہ بل فقہ حنفی کے مطابق نہیں ہے، ایسے نازک و پر پیچ موقع پر حضرت مولاناؒ نے راجیو گاندھی جی کے سامنے جو تاریخ ساز الفاظ کہے وہ بھی ان کی فقہی بصیرت کا شاہکار ہیں، الفاظ نذر قارئین ہیں:

''عالم اسلام کی سب سے بڑی ماہرین قانون شریعتِ اسلامی کی اکیڈمی کا ہندوستان سے میں تنہا ممبر ہوں، بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ سارے ممبران ایک طرف تھے، میں ایک طرف تھا اور فیصلہ میری رائے پر ہوا، یہاں اسی مجلس میں ایسے علماء موجود ہیں کہ اگر ان کا نام جامع ازہر مصر میں لیا جائے تو لوگ احترام سے گردن جھکالیں۔''

(کاروان زندگی: ۳/۱۳۴)

حضرت مولاناؒ کے یہ چند مؤثر جملے راجیو گاندھی کے دل پر نقش کالحجر ہو گئے اور بالآخر وہ بل فقہ حنفی کے مطابق ہی پاس ہوا۔

حضرت مولاناؒ نے اپنی تحریروں میں جہاں جابجا اسرار شریعت اور اس کی حکمتیں و مصلحتیں بیان کی ہیں، وہیں بعض مقامات پر بہت سے ایسے فقہی نکات بھی بیان کیے ہیں جن سے ان کی فقہی بصیرت اور وسعت ذہنی کا اندازہ ہوتا ہے؛ ذیل میں چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

اکثر متقدمین فقہاء تعدد جمعہ کے قائل نہ تھے، تاہم متاخرین فقہاء نے اس مسئلہ میں توسع اختیار کیا ہے، حضرت مولاناؒ نے دونوں فریق کے موقف کی انتہائی جامع انداز میں حکمتیں بیان کی ہیں، مگر جدید تقاضوں کے مدنظر اپنی رائے بلیغ اسلوب میں بیان کی ہے:

''اگر جمعہ اور اس کے مقدمات وانتظامات واجتماعات نہ ہوتے تو مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس جاہل معاشرہ میں جذب ہو جاتی اور ارتداد کی موجیں جو اس کے ماحول سے ٹکرا رہی ہیں، اس کو نگل لیتی اور کچھ دن کے بعد یہ پتہ چلانا بھی دشوار ہو جاتا کہ اس کا اسلام سے کچھ تعلق بھی رہ چکا ہے، یہی وہ مصالح تھے جن کے پیش نظر عہد آخر کے بعض علمائے احناف نے اس میں سختی وتنگی روا نہ رکھی، بلکہ توسع اختیار کیا ہے۔'' (ارکان اربعہ: ۸۸)

زکوٰۃ کے مصارف میں ''مؤلفۃ القلوب'' بھی ایک مصرف ہے یعنی دل جوئی کے لیے ان لوگوں کو زکوٰۃ دی جائے جو اسلام سے اُنس رکھتے ہیں اور قریب آنا چاہتے ہیں، خلفائے راشدین کے عہد میں غلبہ اسلام کے بعد اس مصرف پر عمل ختم ہو گیا اور بعد کے زمانوں میں بھی اس پر کسی نے اعتنا نہیں کیا، مگر حضرت مولاناؒ نے مصارف زکوٰۃ کا ذکر کرتے ہوئے قاضی ابوبکر بن العربیؒ کے حوالہ سے اپنی جامع ومتوازن رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

''میری رائے یہ ہے کہ اگر اسلام کو غلبہ واقتدار حاصل ہو تو ضرورت نہیں، لیکن اگر اس کی ضرورت محسوس کی جائے تو ان کو اسی طرح دینا چاہیے جس طرح رسول ﷺ دیتے تھے۔'' (اُیضا: ۱۴۶)

ٹیکنالوجی کے جدید دور میں رؤیت ہلال کا مسئلہ عرصہ سے زیر بحث ہے، بعض افراد جہاز یا راکٹ وغیرہ سے آسمان کی بلندی پر پہنچ کر رؤیت ہلال کے جواز کے قائل ہیں اور بعض نہیں، اس سلسلہ میں حضرت مولاناؒ نے انتہائی مختصر الفاظ میں دوٹوک بات کہی ہے:

''شریعت میں اعتبار ظہور ہلال کا ہے، وجود ہلال کا نہیں، اس لیے اس کی رؤیت کے اثبات کے لیے ریاضی اور مصنوعی تکلفات کا سہارا لینے کی مطلق ضرورت نہیں۔'' (ارکان اربعہ: ۲۸۲)

حضرت مولاناؒ کے نزدیک فقہی نقطہ نظر سے ملی استحکام کے لیے خلافت وامارت کا نظام بھی ضروری تھا، خود انہوں نے اس کی خاطر عملی کوششیں کیں مگر وہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا، تاہم ان کا کہنا یہی تھا:

''مسلمان خلافت وامارت کا نظام قائم کرنے کے شرعی طور پر مکلّف ہیں اور اس میں کوتاہی وسہل انگاری ان کو گنہگار کر سکتی ہے، حدیث وفقہ کی کتابوں اور اسلام کی روح اور اس کے مقاصد کا صحیح فہم کا بھی یہی تقاضا ہے۔'' (ارکان اربعہ: ۱۹۴)

تم نہ بدلوگے تو حالات بھی نہ بدلیں گے

محمد نفیس خاں ندوی

آزادی ہند کے بعد سے ملک کے مختلف علاقوں میں سنگین فسادات ہوئے، سخت جانی و مالی نقصانات ہوئے، گجرات فسادات نے تو حیوانیت کی ساری حدیں ہی پار کردیں، دلائل وثبوت گواہ ہیں کہ یہ سارے فسادات نہایت منظم اور سرکاری پشت پناہی میں ہی ہوئے جو یقیناً ہندستان کی پیشانی پر بدنما داغ ہیں تاہم یہ فسادات وقتی تھے اور ملک کے خاص خاص علاقوں میں واقع ہوئے تھے، اس لیے جلد ہی مسلم قوم ان صدموں سے باہر نکل آئی، لیکن موجودہ صورتحال پہلے کے مقابل زیادہ سنگین اور تشویشناک ہے، اس وقت فرقہ واریت، تشدد پسندی اور نفرت کی سیاست کو مذہب کے نام پر نہ صرف فروغ دیا جارہا ہے بلکہ لوگوں کے مزاجوں میں بھی داخل کیا جارہا ہے، جس کے لیے جارحیت پسند تنظیمیں پوری آزادی کے ساتھ سرگرم عمل ہیں، ایسے میں ملک کا کوئی خطہ اور کوئی طبقہ محفوظ نہیں ہے، اقلیتیں پریشان اور مسلم قوم سخت مرعوبیت اور تشویش میں مبتلا ہے، اور اپنے مستقبل کو لے کر اضطراب کا شکار ہے۔ بلاشبہ اس کیفیت کا پیدا ہونا طبعی اور فطری ہے لیکن کسی بھی صورت میں مایوس ہونا اور ٹھوس لائحہ عمل سے غفلت برتنا اہل ایمان کے شایان شان نہیں۔

حالات کا تجزیہ بتلاتا ہے کہ اس تشویشناک صورتحال کے مختلف اسباب میں سے ایک بنیادی غلطی خود مسلمانوں کی ہے، مسلمانوں نے اپنی افادیت اور نافعیت کو نہ صرف ختم کردیا بلکہ وہ یہاں کی مشرک و بت پرست قوموں میں پوری طرح گھل مل گئے اور اپنے ملی تشخص اور مذہبی امتیازات کو ہی فراموش کردیا، مسلم اور غیر مسلم میں ظاہری طور پر کوئی فرق باقی نہ بچا، زندگی کے سارے شعبوں سے اسلام کی روح فوت ہوتی چلی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل ایمان اور اہل شرک کے مابین اخلاقی و معاشرتی سارے امتیازات ختم ہوگئے، بالآخر مسلمان اس قدر پست اور کمزور ہوئے کہ ان کی حیثیت سیاسی مہروں سے زیادہ نہ بچی، جنھیں سیاسی جماعتوں نے اپنے اپنے مفادات میں بھرپور استعمال کیا۔

مسلم دانشور و مفکرین نے اس زوال سے نکلنے کے لیے بہت سے لائحۂ عمل پیش کیے، کسی نے کہا کہ مسلمانوں کی تعلیمی بیداری کے بغیر عروج ممکن نہیں ہے، کسی نے اقتصادی طاقت پر خصوصی توجہ دی اور کسی نے سیاسی اتحاد کو مسلمانوں کے عروج کی بنیاد قرار دیا۔ تجزیہ نگاروں نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ تعلیم سے آغاز کرنے والی امت آج ناخواندگی کے سنگین مسائل سے دوچار ہے، تعلیمی بیداری ایک بنیادی ضرورت ہے اور انھیں اس میدان میں سبقت کرنی چاہیے، معیاری اداروں کا قیام اور تغیر پذیر حالات سے ہم آہنگ نظام ونصاب وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اقتصادیات و معاشیات میں بھی انھیں اغیار کی غلامی کا جُوا گلے سے اتار کر خودمختار بننا ہوگا، ان کا اپنا کاروبار ہو، فیکٹریاں ہوں، صنعتیں ہوں، ہاتھ پھیلانے کے بجائے وہ دوسروں کو دینے کی پوزیشن میں ہوں۔ اسی طرح ہر ملک کی سیاست میں مسلمانوں کی خاطر خواہ نمائندگی بھی ہونی چاہیے اور جہاں حالات متقاضی ہوں وہاں ان کی اپنی مضبوط سیاسی پارٹی بھی ہو کیونکہ علمی اور فنی کارنامے انھیں علاقوں میں واقع ہوتے ہیں جہاں معاشی خوشحالی اور سیاسی استحکام ہو، بھوکے شخص کو علم وفن کی آبیاری کرنے سے زیادہ پیٹ کو بھرنے کی فکر ہوتی ہے۔

لیکن اس اعتراف کے ساتھ تجزیہ نگاروں کا دعویٰ اور مسلمانوں کے عروج وزال کی تاریخ بھی گواہ ہے کہ یہ ساری چیزیں وسائل کی ہیں، حقیقی معاملہ ایمان و یقین کا اور صحیح اسلامی شعور کا ہے۔آلات کی کثرت، وسائل کی فراوانی اور دولت کی بہتات سے مسلمان کبھی عروج کی منزلیں طے نہیں کر سکتے۔وہ اپنے دشمن کا مقابلہ صرف ایمان و یقین، صحیح اسلامی شعور اور اس اسپرٹ کے ساتھ کر سکتے ہیں جس اسپرٹ کے ساتھ کبھی انھوں نے بیک وقت رومی وایرانی حکومت کو چیلنج کیا تھا اور فتح حاصل کی تھی۔

بلاشبہ اسلام آفتاب کی طرح نہ کبھی پرانا تھا اور نہ پرانا ہے، رسول اللہ (ﷺ) کی نبوت دائمی ہے اور آپ کا دین زندہ و پائندہ اور آپ کی تعلیمات سدا بہار ہیں۔آج مسلم قوم کو کسی نئے پیغمبر، نئی شریعت اور نئی تعلیم کی قطعاً ضرورت نہیں لیکن اسے نئے ایمان، نئے یقین اور نئے عزم وحوصلہ کی ضرورت بہر حال ہے۔

مستقبل قریب میں اسلامیت وغیر اسلامیت کی جنگ زمینی سرحدوں پر علاقے جیتنے سے پہلے انسانی دل ودماغ جیتنے کے لیے ہوگی، اس جنگ کی کامیابی وناکامی پر ہی آنے والے معرکوں کے نتائج کا انحصار ہوگا۔

خوش آئند بات یہ بھی ہے کہ ملک کی اکثریت اب بھی سیکولر بنیادوں پر یقین رکھتی ہے، وہ ملک کی سالمیت اور اس کی گنگا جمنی تہذیب کی بقا کے لیے فکر مند بھی ہے، ایسے حالات میں مسلمانوں کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی افادیت کو ثابت کریں، اسلام کی حقانیت اور اس اعلیٰ تعلیمات سے غیروں کو متعارف کرائیں، آپسی میل جول، تجارت ومعالات، سفر وحضر، مختلف تقریبات وحادثات بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں ایسا عملی نمونہ پیش کریں کہ نفرت کی دیوارایں خود بخود ڈھہ جائیں اور مذہب کے نام پر جو خلیج قائم کی جارہی ہے وہ ختم ہوجائے۔اور اس کے لیے کسی بھی تحریک، جماعت یا تنظیم سے وابستگی کی کوئی شرط نہیں، ہر فرد اپنی اپنی سطح پر اس کا آغاز کرے، وہ خود کو ایک نفع بخش اور فائدہ مند مسلمان ثابت کرے، پھر وہ خود ہی اس کے بہترین نتائج کا مشاہدہ کرے گا۔یہی طریقہ ہے اس ملک میں مسلمانوں کے ملی تشخص اور مذہبی امتیازات کے ساتھ باقی رہنے کا، اس کے علاوہ اگر کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا گیا جس کی بنیاد جذباتیت پر یا سیاسی دعووں پر ہوگی تو شاید حالات کی تبدیلی مزید قربانیوں کا مطالبہ کرے۔

مستقبل یقیناً اسلام کا ہے اور آج ہم ایک منفرد، انقلاف آفریں اور غیر معمولی تاریخی لمحے کی دہلیز پر کھڑے ہیں اور تقدیر کے اس فیصلہ نے امت مسلمہ کو ایک عظیم امتحان سے دوچار کر دیا ہے، مستقبل کی عالمی قیادت من وسلویٰ کی طرح ہماری گود میں نہیں اترے گی بلکہ ہمیں ایمان ویقین، عزم وحوصلہ، حکمت وتدبر اور کردار وعمل کے ذریعہ اس کو حاصل کرنا ہوگا اور اس جدوجہد کا سرچشمہ اعتصام باللہ کے سوا کچھ نہیں۔

عالمی اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ آج دنیا میں ہر پانچواں شخص مسلمان ہے، تمام حساس بری وبحری راستہ مسلم علاقوں سے گزرتے ہیں، ہم بہترین انسانی اور مادی ذخائر کے مالک ہیں، ہماری زمینیں سونا اگلتی ہیں اور ہر قسم کی معدنیات سے ہم مالا مال ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہترین دل ودماغ اور صلاحتیں بخشی ہیں، اگر کوئی کمی ہے تو صرف ایمانی قوت کی اور اسلامی شعور کی اور یہی طاقت ہمیشہ سے مسلمانوں کی قوت وغلبہ اور معجزات وآیات کا مجموعہ رہی ہے، اس کے بغیر نہ تعلیمی مشن کامیاب ہوسکتا ہے، نہ سیاسی تحریکیں مفید ثابت ہوسکتی ہیں اور نہ اقتصادی ومعاشی حالت میں سدھار آسکتا ہے۔مسلمانوں کے سلسلہ میں یہی اللہ کی سنت ہے، چودہ صدیوں کا یہی تجربہ ہے اور تاریخ کا یہی فیصلہ بھی جس سے نہ انکار کیا جاسکتا ہے اور نہ جس میں بحث ومباحثہ کی گنجائش ہے! لن یصلح آخر هذه الأمة الا بما صلح به أولها۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

جب چاند دیکھیں تو یہ دعا پڑھیں

"اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَ الْاِیْمَانِ وَ السَّلَامَۃِ وَ الْاِسْلَامِ،
رَبِّیْ وَ رَبُّکَ اللّٰہ، ھِلَالَ رُشْدٍ وَ خَیْرٍ"

افطار سے پہلے کی دعا

"یَا وَاسِعَ الْفَضْلِ اِغْفِرْلِیْ"

افطار کی دعا

"اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَ عَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ" یا
"ذَھَبَ الظَّمْأُ وَ ابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَ ثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰہ"

جب کسی کے یہاں افطار کریں

"اَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّائِمُوْنَ وَ اَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَ صَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلَائِکَۃُ"

تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد یہ دعا پڑھیں

"سُبْحَانَ ذِي الْمُلْکِ وَ الْمَلَکُوْتِ، سُبْحَانَ ذِي الْعِزَّۃِ وَ الْعَظَمَۃِ وَ الْھَیْبَۃِ
وَ الْقُدْرَۃِ وَ الْکِبْرِیَاءِ وَ الْجَبَرُوْتِ، سُبْحَانَ ذِي الْحَيِّ الَّذِيْ لَا یَنَامُ وَ لَا یَمُوْتُ، سُبُّوْحٌ
قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَ رَبُّ الْمَلَائِکَۃِ وَ الرُّوْحِ، اَللّٰھُمَّ أَجِرْنَا مِنَ النَّارِ،
یَا مُجِیْرُ یَا مُجِیْرُ یَا مُجِیْرُ"

جب اعتکاف کی نیت سے مسجد میں داخل ہوں

"بِسْمِ اللّٰہِ دَخَلْتُ وَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَ نَوَیْتُ سُنَّۃَ الْاِعْتِکَافِ"

شبِ قدر کی دعا

"اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ"

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 14 ✦ April-May 2022 ✦ Issue: 04-05

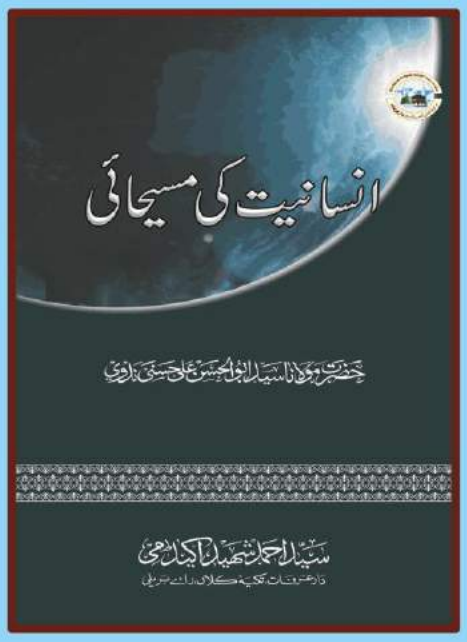

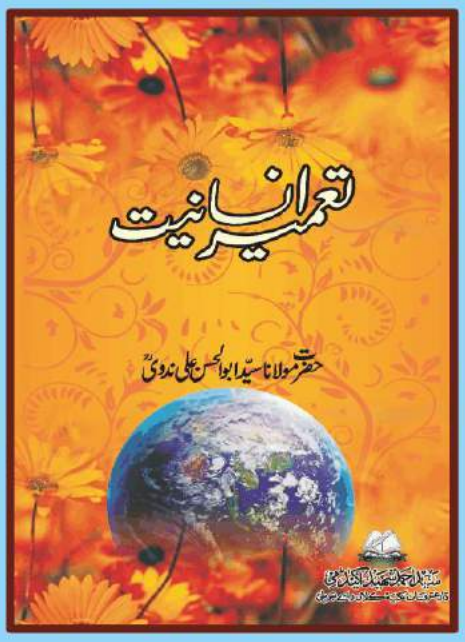

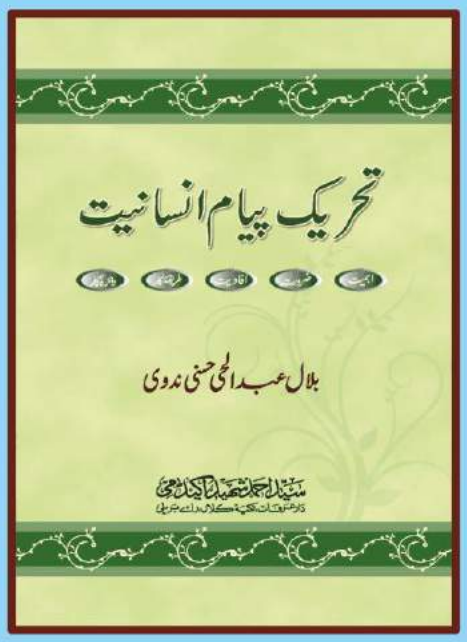

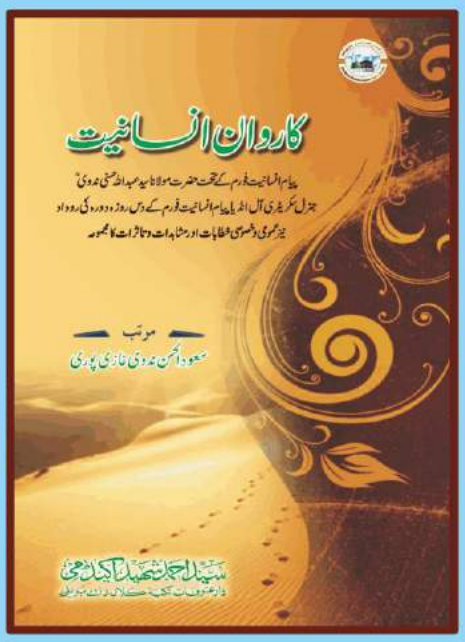

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)